U1
Aa77P

56c

12/2/75

پرچھائیں

اور

اس کا دوسرا رُخ

تصنیف

آصف علی

عنوان
۱۹۱ ، ۱۳۲
آ ۱۴۲ ب
41
۶۶۲۱ پ
CHECKED
JAMMU & KASHMIR UNIVERSITY
LIBRARY
No 36068
Date 29-3-61
SRINAGAR
ST'O.
114
ALLAMA IQBAL LIBRARY
36068

Printed by Khaleel Sharafuddin at Q. Press, 29 Mohd. Ali Rd., Bombay 3,
and published by Anjuman-e-Taraqqi-e-Urdu (Hind), Aligarh.

فہرست

حرف اول

—

ہمزاد

یوں تو حقیقت خود افسانۂ زلف ہے مگر اس کی پرچھائیں اس سے بھی طولانی ہے. کون کہہ سکتا ہے کہ حقیقت سے پرچھائیں گریزاں ہے یا پرچھائیں سے حقیقت. دونوں اپنی سرحدوں میں ایک دوسرے سے اجتناب کرتے ہیں. ایک دوسرے کے قد و قامت کا خاکہ اڑاتا ہے. جدا رہتے ہوئے بھی ایک کا دوسرے سے دامن وابستہ رہتا ہے. نہ اصل کو عکس سے چھٹکارہ ہے، نہ عکس کو اصل سے. ایک دوسرے کا منہ دیکھتا ہے اور اپنی حقیقت نہیں دیکھ پاتا. اگر پرچھائیں اصل ہو جائے تو اپنی حقیقت سے نا آشنا نہ رہے اور اگر اصل پرچھائیں ہو جائے تو خود آپ کو بھی نہ پہچانے.

اسی ناگزیر وصل اور ناقابل انکار ہجر کا نام «حال» ہے. یہ سرحد زمانہ ہے جو ماضی اور مستقبل کا مقام اتصال ہے.

یہیں ہستی کے غرفہ سے عدم اور عدم کے جھروکہ سے ہستی ایک دوسرے کو جھانکتے ہیں۔

حقیقت اپنی پرچھائیں کی، اور سایہ اپنی حقیقت کی، ٹھوکر ہے۔ عرض جوہر، اور جوہر عرض کے دام میں عنقائے آگہی کی طرح پر مارتا اور پھڑ پھڑاتا ہے۔ اسی کا نام پرچھائیں ہے۔ یہی «میں» کا ہمزاد ہے۔ یہی «مایا» ہے جسے قوت تخلیق کا سایہ کہئے۔

میں اس افسانہ کا صرف کاتب ہوں۔ لکھوانے والا خود افسانہ ہے۔ حقیقت کی شباہت خود افسانہ ہے۔ قصور اور خامیاں میری ہیں۔

ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم
اے بے خبر ز لذت شرب مدام ما

۱۱ جنوری سنہ ۱۹۴۳ع

فردوس نظر بندی
قلعۂ احمد نگر

خیال مکرر

حقیقت، رقص معنی اور ترنم مطالب سے لبریز ہے۔ پرچھائیں میں شراب ہوشمندی کا اجالا کہاں سے آئے۔ نثر میں نظم کے محبوسین ذرا ہاتھ پاؤں پھیلا سکتے ہیں۔ انگڑائیاں لے سکتے ہیں۔ قید خانہ کی منڈیروں پر سے جھانک سکتے ہیں۔ اس لئے شعری مطالب نثر کی آزادی میں رہا نظر آتے ہیں۔

اس افسانہ نے نثر ہی کا تقاضہ کیا۔ اگر کہیں کہیں اوزان اور بحور کی بھی پرچھائیں آجائے تو اسے آسائش قید وبند کی عادت پر محمول سمجھا جائے۔ نیند سے جاگ کر بھی بار بار آنکھیں بند ہو جاتی ہیں۔ خواب، حقیقت کے کناروں سے آگے نکل جاتا ہے۔ شاید خواب، بیداری سے زیادہ دلچسپ ہے۔

بہرکیف نثر کو نظم سے تعبیر نہ کیا جائے اور اگر نثر میں نظم کی مشابہت بھی کہیں نظر آئے تو اُسے بے اختیاری کا طعنہ تصور کیا جائے جو آزادی سے ہمیشہ دست و گریباں رہتا ہے۔

نہ کوئی پردہ ہے نہ پردۂ ساز
میں ہوں اپنی شکست کی آواز

سایہ پابوس

آصف

پرچھائیں

۱

دامِ نظر

دن بھر پرچھائیں سے پیچھا نہ چھوٹا!
میری پرچھائیں مجھ سے بڑھ گئی.
پرچھائیں مجھ سے بھاگتی رہی یا میں پرچھائیں سے؟
سارے دن اپنا سایہ نوچ نوچ کر پھینکا کیا.
پرزے پرزے کرکے دھجیاں بکھیر دیں.
پھر دونوں وقت ملے ہر طرف سایہ کے ڈھیر لگ گئے.
چراغ جلے رات کی جالیوں میں سے پرچھائیاں جھانکنے لگیں.
کیا چراغوں میں چھپی بیٹھی تھیں؟
دن کی سلطنت سے رات کے راج میں پناہ لی.
اب کس وقت کا دیس تلاش کروں؟
دکھ نے سکھ سے پوچھا «تم کس کی پرچھائیں ہو؟»
سکھ نے دکھ سے کہا «کیا تم میری پرچھائیں نہیں؟»
چین کی دھوپ اکتا کے ڈھل گئی.
پرچھائیں نے گرہ کھول دی، رات کھل پڑی.
زمانہ پر تولے اڑتا نکل گیا.
نکل گیا؟

پروں کی پرچھائیں چھوڑ گیا۔

۲

دل نے پوچھا «کس سے باتیں کر رہے ہو؟»

میں نے کہا «تم سے»۔

سایہ سے سایہ کی باتیں بھی پہیلیاں ہیں۔

پرچھائیں کی بوجھن پرچھائیں ہے یا حقیقت؟

حسن کی پرچھائیاں بڑھنے لگیں، یا

حسن کی پرچھائیاں مٹنے لگیں؟

دل نے کہا «اتنی دور کیوں ہو؟ مجھ میں آجاؤ نا!»

میں نے کہا «میں بھی تم سے یہی پوچھتی ہوں»۔

مندر کے پٹ کھلے، خوشبو کے بادل چھا گئے، مہک کے پردے چھٹ گئے۔

آنکھیں ٹٹولتی رہ گئیں، نظریں ٹھوکر بن گئیں۔

اب کونسا چراغ جلاؤں؟

جس کا اندھیرے پر آنچل ڈال دوں۔

۳

میں نے چاندنی سے کہا «پرچھائیوں کے دھبے دھو ڈالو، یہ

ملگجے پیوند برے معلوم ہوتے ہیں۔

چاندنی نے کہا ، پھولوں کی پرچھائیں کس طرح گود سے اتار دوں؟ ،

، تم کیا جانو ، میری سونی گود انہیں پیوندوں کو ڈھونڈتی ہے ۔ میرا بس چلے تو رات کی طرح انہیں دل میں سلا دوں ، ۔

میں نے پوچھا ، تو کیا رات کا آغوش تم سے خالی ہے ؟ ،

رات کی آنکھوں سے شبنم کی بوندیں ٹپکنے لگیں ،

اور ہر بوند میں چاند چمکنے لگا ۔

دل نے کہا ، کون جانے کون کس کی گود میں ہے اور کون کس کی آنکھوں میں ! ،

رات کے آغوش میں ہے چاندنی !
چاندنی کی گود میں پرچھائیاں !

کس سے پوچھوں یہ کیا بھول بھلیاں ہے ؟

چاندنی ، رات کی گود میں ہے یا چاندنی کی آنکھوں میں ، رات ؟

اوس تو دونوں ہی کی آنکھوں سے ٹپکتی ہے ۔

٤

اندھیرا ، اندھیرا ، اندھیرا ، اوپر نیچے چاروں طرف اندھیرا !

چراغ نے ہنس کر اندھیرے کا منہ کھول دیا ۔

روشنی ، چراغ کا گیت ہے یا اندھیرے کا ؟

چراغ ، اندھیرے کی کنجی ھے یا قفل ؟
روشنی اندھیرے میں بند رھتی ھے یا اندھیرا روشنی میں ؟
چراغ میں روشنی بیٹھی رھتی ھے یا پرچھائیں ؟
مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ھے کہ ایک ھی دوپٹہ کے یہ دو رنگ ھیں .
ایک طرف اندھیرا اور دوسری طرف روشنی .
تم کبھی ایک رخ منہ پر ڈال لیتے ہو کبھی دوسرا
اچھی ! تم منہ کیوں نہیں کھول دیتے ؟
مجھے پرچھائیں کیوں دکھاتے رھتے ہو !
رنج کہتا ھے « میں نہ ہوں تو راحت ھی رنج ہو جائے » .
اندھیرا کہتا ھے « میں نہ ہوں تو روشنی اندھیرا ہو جائے » .
میں کہتی ہوں « ان پردوں کو ہٹا دو تو تم ھی تم رہ جاؤ » .

۵

ماں نے بچے کو گود میں لیا ، پیار کیا ، اور کہنے لگی « بالکل باپ کی تصویر ھے » .
باپ نے بچہ کا منہ چوما ، اور کہا « سارا چہرہ مہرہ ماں کا ھے ! »
دادی نے کہا « آنکھیں دادا کی ھیں » .
نانی نے کہا « ماتھا نانا کا ھے » .
زمانہ کہتا ہوا نکل گیا « کتنی پرچھائیاں گنو گے ! »
دل نے پوچھا « میں کس کی پرچھائیں ہوں ؟ »

بچہ نے ضد کی، باپ نے گھرک کر کہا «ساری ہٹیں ماں
کی سی ہیں».
بچہ نے کہنا نہیں مانا، ماں نے کہا «ساری خصلت باپ کی ہے».
میں نے کہا «سایہ سے پیچھا کیوں نہیں چھوٹتا؟
«آخر دیکھنے والے مجھے کیوں نہیں دیکھتے؟
«میں کہیں ہوں بھی یا نری پرچھائیاں ہیں؟»

٦

کلی نے کھل کے پوچھا «میں کہاں ہوں؟»
نرم پنکھڑیوں نے کہا «ہماری گود میں!»
رنگ نے کہا «میرے جھولے میں!»
خوشبو نے کہا «میرے خواب میں!»
خزاں نے کہا «میری بہار میں».
بہار نے کہا «میرے پت جھڑ میں».
کسی کا خواب، کسی کی ہے گود، میرا کیا؟
اور میں ان میں ہوں بھی تو یہ کہاں ہیں؟
ہوا نے کہا «میرے گیسوؤں میں».
شبنم نے کہا «میرے گیت کے جھرنے کے کنارے!»
زمانہ نے کہا «میری خاموشی میں!»
عدم کی خامشی جس کا وطن ہو اسکی ہستی کیا!

۷

درد نے کراہ کے پوچھا ، آرام کسے کہتے ہیں ؟ ،
آرزو نے ٹھنڈا سانس بھر کے جواب دیا ، درد کو ! ،
کہیں محبت کی آگ بجھ نہ جائے، کہیں دل راکھ کا ڈھیر
ہو کر نہ رہ جائے !
تم سے ملنے کی امید نہ ہو تو زندگی موت ہو جائے .
تم سامنے کیوں نہیں آجاتے جو امید کی پرچھائیں سے چھٹکارا ہو ؟
جب مڑ کے دیکھتی ہوں پرچھائیں سامنے آجاتی ہے !
پرچھائیں نے بڑھ کے کہا ، میں تو تمہاری پرچھائیں ہوں ! ،
خوشی میں آنسوؤں کی گرہ پڑ گئی .
دل میں آنسو جم کے کسک بن گئے .
آئینہ مجھی دیکھتا ہے ، میں آئینہ کو ، عکس نہ آئینہ ہے نہ میں .
عکس سے پہچانئے جس کو اسے کیا جانئے ؟

۸

آنکھوں میں کس خواب کا خمار ہے ؟
خاموشی میں کس کی آواز پکار رہی ہے ؟
اگر یہ یقین ہو جائے کہ یہ تمہاری آواز نہیں تو کیا کروں ؟
اچھا ، اور دل مجھی بہکا بھی دے تو کیا تمہاری آواز بند
ہو جائیگی ؟

تم مجھے آواز دے رہے ہو یا میں تمہیں؟
کسی سوال کا جواب نہیں ملتا، کوئی ہو تو جواب دے!
اور جواب مل بھی جائے تو کیا کروں؟ «نہیں» بھی «ہاں»
کے برابر ہے۔
«ہاں، نہیں» اور «نہیں، ہاں» کی آنکھ مچولی ہے۔
پرچھائیوں کی بھول بھلیاں میں «ہاں» «نہیں» ایک دوسرے
کو پکار رہے ہیں۔

۹

محبت کے آسمان پر رنج اور راحت کی قوس قزح کھلی۔
نہ جانے رنج اور راحت کہاں شروع، کہاں ختم ہوتے ہیں!
خوشی کا جامہ رنج میں بسا ہوا ہے۔
دھنک بھی آدھی دکھائی دیتی ہے۔
نہ جانے باقی میں کیا رنگ ہیں؟
رنج کے بیج میں رنگ رنگ کی کلیاں بند ہیں۔
دل کی کیاری میں جو کھلتا ہے بیج چھوڑ جاتا ہے۔
ہر قدم پر پرچھائیاں آگے پیچھے دوڑتی ہیں۔
تمہیں درد میں ڈھونڈوں یا خوشی میں؟
اس اندھیرے گنبد سے کیونکر نکلوں؟
کس چمک نے آنکھیں چکاچوند کردیں؟

اجالے میں اندھیرا گھول دیا.
اندھیرے کے سر سے روشنی کا دوپٹہ کھسک گیا.

۱۰

رات کے سمندر میں تاروں کی کشتیاں جگمگائیں
میری نظروں نے ہر تارے میں تمہیں ڈھونڈا.
سوچا، کسی کھڑکی میں سے تو تم جھانکتے ہو گے!
پلکوں کی پرچھائیں نظروں سے آگے نکل گئی.
روپہلی سنہری دھلیزوں پر نگاہ نے ٹھوکریں کھائیں.
دل کی چوٹ سے آنکھوں میں آنسو اُمنڈ آئے.
تم نے بھی تو میری نظروں کو ڈھونڈا ہوگا؟
اس کھلی فضا میں کہیں تو میرا خیال تم تک پہونچتا ہوگا.
میں ایک ایک پرچھائیں کو پلکوں میں چھانتی ہوں.
کسی پر تو تمہاری نظر پڑی ہوگی.
کیا کروں! شک کے بھنور میں دل ڈوبنے لگتا ہے.
پھر کہتی ہوں شک کا دکھ بھی نہ رہا تو کیا کروں گی؟
پرچھائیں تم ہو یا میں؟
دونوں ھی پرچھائیں ہوتے تو شبہ کی دیوار کہاں ہوتی؟
ایک ہوتے تو الگ کیسے رہتے؟

نہیں. تم گیت ہو میں بنسری.
میں نہ ہوں تو تمہیں اپنی بھی خبر نہ ہو.
اور تم نہ ہو تو مجھی اپنی خبر کیوں کر ہو!

میرے سینہ سے نکلتی ھے تمہاری آواز
اسی آواز سے آباد ھے پہلو میرا

۱۱

بادلوں میں بجلی سے کیا لکھا کرتے ہو؟
پڑھنے سے پہلے حرف پرچھائیوں میں گُھل جاتے ھیں.
نہیں. مجھی دہوکا ہوتا ھے.
وقت اکتا کے نقاب چاک کردیتا ھے. اسکے ماتھی کی شکنیں
بجلی کی لکیریں بن جاتی ھیں.
کیا وقت بجلی ھے؟ میں کیا جانوں کیا سچ ھے.
صاف صاف کیوں نہیں لکھتی جو میں بھی سمجھہ لوں؟
حسن کس پردہ میں سے نہیں جھلکتا!
کیف کس جام سے نہیں چھلکتا!
میں تو تمہاری ہر ادا کے جام سے پرکیف ہوں!
پرچھائیوں کے پردے تم چاک کیوں نہیں کر ڈالتے.
وقت کی دیواریں کس طرح ڈھاؤں!

۱۲

کیوں جی! خوبصورتی کی پتیاں مرجھاتی کیوں ھیں؟
حسن کا پھول کمہلاتا کیوں ھے؟
خزاں کے چور پکڑے کیوں نہیں جاتے؟
موت کا خنجر کند کیوں نہیں پڑتا؟
تمہیں رستے بستے شہر کھنڈر ہوتے اچھے معلوم ہوتے ھیں؟
پیاری پیاری صورتیں خاک اور راکھ کے ڈھیر ہو جائیں،
تمہیں دکھ نہیں ہوتا؟
آخر تو یہ تمہاری پرچھائیاں ھیں.
نہیں! میں بھولی.
پرچھائیاں تمہیں کب بھاتی ھیں!
تم انہیں نوچ نوچ کے پھینک رھے ہو.
میری طرح تم بھی ان سے بے بس ہو.
پھر انہیں بنایا کس نے ھے؟
کیا عدم پرچھائیاں بن بن کے آتا ھے؟
اور تمہارے قدموں میں لوٹتا رہتا ھے؟
اور تم اسے ٹھکراتے رھتے ہو؟

۱۳

صبح کے شبنمی ہاتھ نے شفق کے نقاب ایک ایک کر کے اٹھائے!

گویا تھے ہی نہیں.
کرن کے سنہری تیر بادلوں کی چھاتی میں کھپ گئے!
مندر کے میناروں کی پرچھائیاں برجوں کے سایہ سے لپٹنے لگیں!
باغ کی پرچھائیاں زمین سے مل مل کے جدا ہونے لگیں!
کیا آج بھی چھپ کر نکل جاؤ گے؟
یہ کس کی جھلک تھی؟ کون اِدھر سے ادھر نکل گیا؟
میں نے آتے ہوئے دیکھا یا جاتے ہوئے؟
یہ مڑمڑ کے کون دیکھہ رہا ہے؟
پرچھائیں بیچ میں سے ہٹے تو دیکھوں، پیٹھہ تو تمھاری سی ہے!
نہیں، نہیں، آنے والے کا چہرہ تمہارا سا ہے.
پھر کوئی بیچ میں آگیا، ہر آنے جانے والے پر تمہارا دھوکا
ہوتا ہے!
دوپہر ہوگئی. شام تک راہ دیکھوں؟
شام ہوگئی. رات بھر راہ تکا کروں؟
رات کے پھول صبح مرجھا جاتے ہیں، صبح کے دوپہر،
شام کو پھر باغ میں مہک جاگ اٹھتی ہے!
انتظار سے جی کیوں نہیں اکتاتا؟
بہار کہتی تھی «خزاں سے نہ گھبرانا»، خزاں کہتی ہے «بہار
تک ٹھہرو».
آخر کس دن کی امید پر عمر کٹتی ہے؟

۱۴

انتظار کی کلی نے کِھلنے سے لو لگائی.
امید کے پھولوں کے چراغ کِھل کِھل کر بجھ گئے.
رنگ اور بو، پر سمیٹ کے بیجوں میں جا سوئے،
یا مایوسیاں سمیٹتے سمیٹتے تھک کے چور ہو گئے؟
خزاں نے پھر جیب الٹ دی اور بہار بکھر گئی.
کیا سیلِ زمانہ کا ساحل امید ہے؟
ایک دوسرے کو تکا کرتا ہے.
نہ وقت امید پر غالب آتا ہے،
نہ امید وقت پر.
کل بھی تمہاری پرچھائیاں دیکھیں، آج بھی.
پرچھائیاں گود کھولے پھرا کیں.
پرچھائیوں کے بادلوں سے گودیں برسا کیں.
جس کو چھوتی تھی بلبلہ کی طرح ٹوٹ جاتی تھی!

کونسی کل کا انتظار کروں؟
کس کے وعدے کا اعتبار کروں؟

۱۵

صبح شام باغ میں کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی.

پرندے اپنی اپنی راگنی الاپتے ہیں، دوسروں سے سُر تک
نہیں ملاتے!
میں ان کے غل میں تمہاری بانسری کس طرح سنوں؟
کان اُن سروں پہ لگے ہوئے ہیں جو سنائی نہیں پڑتے!
غُل میں بھی میٹھے بول اُبل رہے ہیں.
لو اب گیت کے بادلوں میں خاموشی کی کرن چھپ گئی!
ان پرچھائیوں سے پیچھا نہیں چھوٹتا، جدھر دیکھو گھٹا
اُمڈی چلی آتی ہے!
پھر کہنا کیا کہہ رہے تھے!
جو کہنا ہے کھُل کر کیوں نہیں کہتے؟ یہ کہہ مُکرنیاں کیوں کر
سمجھ میں آئیں؟
میں تمہارے گیت اوروں کی زبان سے کیوں سنوں؟
اوروں کی زبانی پیام سلام دل دکھاتے ہیں.
اور یہ بھی نہ ہوں تو کیا کروں؟
کبھی تو سامنے آؤ گے! آج ہی آجاؤ!
تمہاری آواز سننے کو جی ترستا ہے.
«کبھی»، «ابھی» کیوں نہیں ہوجاتی؟

۱٦

روز «کل»، روز «کل»، «آج» ہی «کل» کیوں نہیں ہوجاتی؟

«آج» جائے تو «کل»، «آج» آئے تو «کل»، یہ آنا جانا
چھوڑ کے «آج» ہی کیوں نہ رہے؟
وقت، مایوسی سے اکتا کے آگے بڑھتا ہے، یا امید کی جھلک
دیکھ کے؟
جان بچا کر بھاگتا ہے یا جان گنوا کے؟
«آج» قدم جما کے کھڑی ہو جائے تو اس کا کیا بگڑ جائے؟
«آج» پیچھے ہٹتی ہے یا آگے بڑھتی ہے؟
مایوسی امید سے گھبرا کیوں نہیں جاتی؟
مایوسی پرچھائیں ہے یا امید. «آج» پرچھائیں ہے یا «کل»؟
«آج» دریا ہے یا کنارہ؟ امید سمندر ہے یا ساحل؟
«کل» دریا کا اتار تھی یا چڑھاؤ؟
میرے دل میں مایوسی بڑھ رہی ہے یا امید؟
تم جواب کیوں نہیں دیتے؟

۱۷

رات تڑپ تڑپ کے کٹی.
دن سِسک سِسک کے ڈھلا.
امید کی گلجھٹیاں نہ سلجھی تھیں نہ سلجھیں.
«کل» کی جیب کس دکھ سے خالی تھی
جو «آج» کی گرہ میں خوشی ہو گی؟

وقت کی جالیوں کے پیچھے امید پھر بھی آنکھ مچولی
کھیلتی رہتی ہے۔
جو سکھ امید کی پرچھائیں میں ہے اُس سے بڑھ کر بھی
کوئی دکھ ہے؟
کہیں میری امید کی پرچھائیں تم سے آگے نہ نکل جائے!
تم جو بچ بچ کے نکل جاتے ہو،
میری مایوسی کے ڈر سے تو نہیں چھپ جاتے؟
آخر کسے آزما رہے ہو؟
خود پر بھروسہ نہیں یا مجھ پر؟
کیا اس میں خوش ہو کہ میری آس نہ ٹوٹے،
سانس کا بلبلہ بلا سے ٹوٹ جائے؟

۱۸

لوگ تمہاری مورتی پتھر کی بناتے ہیں! جمے ہوئے شعلوں سے
نہیں ڈرتے۔
اپنی بدصورتی تمہارے گلے بھی منڈھ دیتے ہیں۔
تھالی میں چومکھ دھر کے کالے دھوئیں سے آرتی اتارتے ہیں!
پھول چڑھاتے ہیں! پانی کی انجلی دیتے ہیں! کہیں تمہارا غصہ
جاگ اٹھے تو بھسم ہو جائیں۔
میں پتھر میں شعلوں اور شراروں کو مسکراتے دیکھتی ہوں۔

خاموش مورتی کی پہیلیاں بوجھتی ہوں.
لوگ تمہاری چپ کی گرج سن لیں،
تمہاری روشنی کی چکاچوند دیکھ لیں،
تو میری طرح دل کا دیا روشن کر کے
آرزوؤں کے پھول چڑھایا کریں، آنسوؤنکی انجلی دیا کریں،
چومکھ کے دھوئیں سے تمہیں دکھ نہ پہنچائیں.
اگر یہ بھی پاگل پن ہے، تو مجھی پاگل ھی رہنے دو.
جو میں دیکھتی ہوں اسے اور بھی دیکھ لیں،
تو تمہاری آنکھیں اوروں پر نہ پڑنے لگیں؟

۱۹

نہیں! تم ابھی نہ آؤ.
مجھی سنگار کر لینے دو!
تم آئے اور مجھی دیکھ کے مایوس ہوئے تو میں کیا کروں گی؟
میں کیا جانوں تم مجھ میں کیا دیکھنا چاھتے ہو؟
روز نئے رنگ منگاتی ہوں،
کیا خبر! تمہیں کون رنگ بھاتا ہے؟
سب سے اچھا دوپٹہ ابھی نہیں رنگا.
جو رنگ پسند کرو گے اُسی میں رنگونگی.

تمہیں صبح کی شفق بھاتی ھے یا شام کی؟
کافوری کنارہ اچھا لگتا ھے یا نافرمانی؟
یہی سوچتے سوچتے صبح سے شام اور شام سے صبح
ہو جاتی ھے.
ڈرتی ہوں کہیں چپ چپاتے آ نہ نکلو!
اور آ بھی جاؤ تو کیا میں خوش نہ ہونگی؟
کسی کو دھلیز پہ کھڑا رکھوں کہ مجھی خبر دیدے؟
بال سنوارنے کی تو مہلت مل جائے.
میں بھی کیا دیوانی ہوں! تم میرے لئے آؤگے یا میرے
سنگار کے لئے؟

۲۰

تم نے کیسے کیسے ھیرے موتیوں کے زیور بھیجی.
مہکتے ہوئے پھولوں کے گجرے بھجوائے.
ریشم زربفت کے کپڑے آئے.
مگر کیسا پتھر دل ھے، خود کیوں نہ آئے؟
پتھر میں بھی دہکتے شرارے نکلتے ھیں.
تمہارا دل برف کا تودہ ھے.
میں ان پتھروں کا کیا کروں؟
کیا پتھروں سے لدی بھلی معلوم ھونگی؟

پھولوں کی مہک سے دل میں کانٹا سا چبھتا ھے.
پھول پہن کر کسے دکھاؤں؟
ریشم زربفت پہن کر کیا اور ہو جاؤں گی؟
ان پرچھائیوں سے کیوں بہلاتے ہو؟
تمہیں کس نے روکا ھے، خود کیوں نہیں آتے؟
دل دکھاتے ہو، بڑے بے رحم ہو!
جس دن آؤ گے، گن گن کے بدلے لونگی!
نہیں نہیں خفا نہ ہو جانا، گن گن کے پیار کروں گی.

۲۱

رات کا سناٹا ھے، تارے بھی چپ ھیں.
چاندنی کروٹ لے کے سو گئی!
جگنو پھولوں کی طرح کھل کھل کے مُرجھا جاتے ھیں.
تمہارا خیال رہ رہ کے درد کی طرح کسکتا ھے.
کس نے روک رکھا ھے جو نہیں آتے؟
امیدوں کے تیر چلاتے رہتے ہو.
آخری مایوسی ھی بن کے آجاؤ.
صورت تو دکھا دو!
میں تو ہزار سو جاؤں. تمہارا خیال کب سونے دیتا ھے؟
خواب میں آنے کا وعدہ کرو تو پٹ سو جاؤں!

بس کہتی ہی ہوں سو جاؤں، قیامت تک نہ آؤ تو آنکھ نہ
جھپکے؟
رات گذری جاتی ہے، بے چینی پرچھائیوں کی طرح بڑھتی
جاتی ہے.
ہر آہٹ پہ کان لگے ہوئے ہیں،
یہ کس کے پاؤں کی چاپ ہے؟
اٹھوں! دیکھوں وہ دروازہ کھٹکھٹا رہے ہیں! نہیں میرا دل
دھڑک رہا ہے.
یہ کس کی پرچھائیں مجھ پر پڑ رہی ہے؟

۲۲

شبنم، پھولوں کے کان میں روز کیا کھس پھس کر کے چلی جاتی ہے؟
ہوا، روز پھولوں کی خوشبو کہاں اڑا کے لے جاتی ہے؟
تم مجھی خط کیوں نہیں بھیجتے، مجھ سے جواب کیوں نہیں
منگواتے؟
میں بھی کلیوں کی طرح جھرو کے کھول کے انتظار کرتی ہوں.
خط لکھ لکھ کے رکھتی ہوں.
نہ کوئی خط لے کے آتا ہے نہ خط لے کے جاتا ہے!
دن بھر سوچتی رہتی ہوں، تم نے کیا کیا لکھا ہوگا.
رات بھر بیٹھ کے جواب لکھتی ہوں.

تم کسے ڈھونڈتے پھرتے ہو
جو مجھی منہ نہیں دکھاتے ؟
میرا دل تمہارا مندر ہے .
اپنے مندر میں کیوں نہیں آتے ؟
اپنا تیرتھہ چھوڑ کے اپنا مندر سونا کر کے
کس کے بھجن میں جا بسے ہو ؟

۲۵

جی چاہتا ہے آسمان کے نیلکنٹھہ کے پر نوچ کر پھینک دوں !
چاندنی کے پنکھہ مروڑ دوں !
تم نہیں آتے تو یہ کیوں روز آ کر ستائیں !
تمہارے پاس جاتے ہیں تو تم پنجرہ میں بند کیوں نہیں کر دیتے ؟
تم ان سے کچھہ کہلا بھیجتی ہو تو یہ مجھہ تک کیوں نہیں
پہنچاتے ؟
جی چاہتا ہے وقت کی رتھہ کے ٹکڑے کر دوں !
میں چاہتی ہوں آگے بڑھے ، تو پیچھے ہٹنے لگتی ہے .
پیچھے ڈھکیلتی ہوں تو تیزی سے آگے بڑھے چلی جاتی ہے !
تم سوار ہوتے ، تو اسے روک کے کھڑا کر لیتی .
گھوڑے کھول دیتی .
یا تمہارے ساتھہ سوار ہو جاتی .

تم انکار کرتے؟
یہ رتھ کسے لئے جا رہی ہے؟
کسے لینے جا رہی ہے؟
تم نے منگائی ہو، تو میں بھی اس میں بیٹھ لوں.
تمہارے ملنے کی آرزو کے کوڑے سے سرپٹ دوڑاؤں.
گھڑی کی پل میں لے پہنچوں!
کوئی بتاتا تو ہے نہیں یہ کدھر جا رہی ہے!

۲۶

منہ اندھیرے «نافرمان» کی کلی نے آنکھ کھولی!
مندر آتے جاتوں نے کہا: «کیا پیارا پھول ہے»
پنکھڑیاں خون میں ڈوب کے نکلی ہیں.
راہ چلتوں نے سونگھ کر منہ بنایا:
«بو میں افیون کی کڑواہٹ ہے»
«نیند کا خمار ہے، جگر کڑواہٹ سے کالا ہے».
کسی نے نہیں کہا: «مندر کے لال پٹ کھل گئے ہیں.
بیچ میں مورتی دھرنی سے کالی پڑ گئی ہے!»
میری چیری نے کہا: «یہ تو بالکل میرے دل کی طرح ہے!
اس کے دل کا کالا دھبہ میرے دکھ کی کہانی ہے!»
تم ایسے خط کیوں لکھتی ہو جن پر میرا نام نہیں ہوتا،

جس کے ہاتھ پڑ جائے کھول کر پڑھنے لگتا ہے،
جس کا جی چاہے اپنا بنا لیتا ہے؟
میں ترستی رہ جاتی ہوں، کس کس سے جھگڑوں کہ یہ خط
میرا ہے۔
میرا دل جانتا ہے، جو کچھ لکھا ہے میرے لئے ہے۔
دوسرے اپنے لئے سمجھیں تو میں کیا کروں!
لفافہ پر نام لکھ دیتے، سیدھا میرے ہاتھ پڑتا۔
اندر لکھ دیتے، کسی اور کے ہاتھ بھی پڑتا تو مجھی مل جاتا۔
جدائی کے دکھ کا ذکر بھی گول مول ہے۔
یہ دکھ تمہارا ہے یا میرا؟
صاف لکھ دیتے تو شبہ مٹ جاتا،
میرا خط اور لئے نہ پھرتے، دوسروں کو نہ دکھاتے!

۲۷

یہ بھی نہیں لکھتی، جواب کہاں بھیجوں۔
جس سے پوچھو کہہ دیتا ہے جہاں سے خط آیا ہے وہیں
ہونگے۔
ہر خط کا کاغذ الگ ہے، روشنائی دوسری ہے، قلم جدا ہے۔
پھولوں کا رنگ جدا، بو جدا۔
پنکھڑیوں کی بُناوٹ الگ بَناوٹ الگ۔

کھلتے سب ایک ھی باغ میں ھیں.
سب ایک زمین میں اُگتے ھیں.
تم خط الگ الگ قلم سے لکھتی ہو،
یا تم بولتے ہو، لکھنے والے الگ الگ لکھتی ھیں!
مضمون بھی ایسا ھے، جو چاھے اپنا مطلب نکال لے!
خاص اپنے قلم سے، صاف میرے نام،
اتہ پتہ دیکے، کیوں نہیں لکھتی؟
اور گول مول بھی نہ لکھو تو میں کیا کر لوں!
گول مول ھی سہی، اوروں کے خط میں ھی سہی،
مجھی تو اشارہ ھی بہت ھے.
کہیں ہو! مجھی بھولتے تو نہیں!
تم بھول جاتے تو میں کس سے شکایت کرتی!
اوروں سے کہتی، تمہیں یاد دلائیں؟
ڈوب نہ مرتی!
میرا نام لکھتی تو اچھا تھا، اور اپنا من نہ سمجھاتے،
اپنا مطلب نہ نکالتے.
خیر کسی اور کا نام بھی نہیں لکھا،
اور میرے دل کی بات لکھی.
جس کے جو جی میں آئے سمجھی،
خط تو میرے ھی لئے ھے.

۲۸

شامہ اپنی دھن میں مست کیا کہہ رہی ہے!
اس بے چین کو گانے میں کیا چین پڑ گیا!
اس طرح بیٹھی آسمان زمین کے قلّابے ملا رہی ہے
جیسے کوئی اس کا افسانہ کا سن کے سر دُھن رہا ہے!
یہ کس کے سامنے الاپ رہی ہے؟
کس کی تال سے اس کے سُر ملے ہوئے ہیں!
میں دل ہی دل میں بیٹھی تم سے باتیں کیا کرتی ہوں۔
تم جواب دو نہ دو، میں خود تمہارے جواب گھڑ لیتی ہوں
تم سے لڑتی ہوں جھگڑتی ہوں، پیار محبت کی باتیں کرتی ہوں،
طعنے دے کر اپنا دل ٹھنڈا کر لیتی ہوں۔
کہتی ہوں، بھول جاؤ، کس نے کہا ہے یاد رکھو!
سامنے ہوتے تو اس سے زیادہ اور کیا کر لیتی؟
دل پھر بھی نہیں مانتا۔
یہی کہتا ہے ایک دفعہ آمنا سامنا ہو جائے!
تم ہوتے تو نہ جانے اور کیا کہتی، میں اور کیا جواب دیتی۔

۲۹

اور کہتی ہیں تم ہرجائی ہو،

جب میں ہرجائی نہیں، تم کب ہرجائی ہو سکتے ہو،
لوگ جیسے ہیں ویسا سمجھتی ہیں
میں جیسی ہوں ویسا جانتی ہوں.
مکھیاں ہر پھول کا رس چوستی
تیتریاں منہ چومتی پھرتی ہیں.
مہک پھول میں ہوتی تو تمہیں ہرجائی سمجھتی.
مہک تو میرے دل میں ھے!
رس تو تمہاری باتوں میں ھے.
دل کی کلی میں بھی نہیں کھلا سکتی!
تم سے باتیں نہ کروں تو رس کہاں!
جبھی تو کہتی ہوں.
لوگ «اپنی ہائی اوروں دے گنوائی» کرتے ہیں.
تمہیں بدنام کرتے، میرا دل دکھاتے ہیں.
تم میرے دل کا حال جانتے ہو، اپنی بدنامی کی پروا نہیں کرتے!
اور مجھی بدنام کیا تو میں کیا کرونگی؟
کہیں تمہارے دل میں تو شک کا بال نہیں آجائے گا؟

۳۰

وقت کا عقاب کندے جوڑ کے کس شکار پر گر رہا ھے؟
اس سے سیدھا تیر کیا جائے گا؟

اس سے تیز بجلی کیا گرے گی؟
اس سے جلدی نظر کیا اٹھیگی؟
اس سے بڑھکر بے روک خیال کی کیا اڑان ہو گی!
اس سے زیادہ بے پناہ غم کیا ٹوٹ کے آئیگا؟
اس سے جلدی خوشی کی گھڑی کیا گذرے گی؟
تم میری طرف آ رہے ہو یا میں تمہاری طرف؟
کیا تم عقاب ہو اور میں شکار؟
یا میں عقاب اور تم شکار!
تم مجھے جیتا نگل جاؤ گے یا میں تم میں جیتی سما جاؤں گی؟
موت تمہارے پنجوں میں ہے،
یا زندگی میری آرزو میں؟
پرچھائیں سے آنکھوں میں اندھیرا نہ چھا جائے
تو اتنا تو دیکھ لوں
کہ عقاب کے سنہری پنجوں میں سے
موت کس میں ہے زندگی کس میں!
اب یہ بھی نہیں دکھائی دیتا:
یہ پرچھائیں عقاب کی ہے یا ہما کی!

مکڑی روپہلی سنہری جالا پور رہی ہے!

جہاں کرن پڑتی ہے روپہلی ہو جاتا ہے!
جہاں شبنم الجھ جاتی ہے، سنہری ہو جاتا ہے!
خیال تانے بانے تان رہا ہے!
محبت کی کرن روپہلی آنسوؤں کو سنہری بنا دیتی ہے.
جدائی، وصل کا زربفت بُننے نہیں دیتی.
حسن، مکڑی ہے یا شکار؟
دل، شکار ہے یا جالا؟
اس میں کون پھنستا ہے، تم یا میں؟
جالے کے نازک تار کہیں ٹوٹ نہ جائیں!
پرچھائیں کہیں بکھر نہ جائے!
عنقا میں ہوں یا پرچھائیں؟
یوں تو دونوں دیکھنے میں آتے ہیں!
میں اور تم، تم اور میں، یہ گورکھ دھندا کب ختم کرو گے؟
دیکھنے والے ہمیں کب تک الگ دیکھا کریں؟
کہتے ہیں گنگا ہزاروں برس مہادیو کی جٹاؤں میں کھیلا کی!
جمنا بھی مانسرور کی گود میں سے ہمک ہمک کے دیکھا کی!
جب گنگا مہادیو کے کندھوں سے زمین پر ڈھلکی،
جمنا مانسرور کی گود سے اتر پڑی!
مگر دونوں الگ الگ کھیلنے لگیں.
دونوں کے کنارے ہزارہا بستیاں بسیں اور اجڑیں،

اجڑیں اور بسیں.

جمنا نے گنگا سے پوچھا: «کہاں جا رہی ہو؟»

گنگا بولی: «جہاں قسمت لے جائے».

جمنا نے پوچھا: «میں بھی ساتھ ہو لوں؟»

گنگا نے کہا: «پریاگ کے سنگم پر مل جانا»

جب تم وقت کی لٹوں میں الجھی ہوئے تھی،

میں زندگی کے جھولے میں جھونٹے لے رہی تھی.

تمہارے دل کے گھاٹ پر کس کس نے بستی بسائی؟

میرے دل کی سوت، وقت کی دھار کے منجھ میں بہتی ہے.

الگ رہ کر ایک پل ہزاروں برس کا ہے! ساتھ کے ہزار برس پل برابر ہیں.

آرزوں کی لاکھوں بستیاں پل پل میں بستی اور اجڑتی، اجڑتی اور بستی ہیں.

مجھی بھی سنگم بتا دو تو آ ملون.

تم اور میں، میں اور تم، کب تک؟

تم اور میں، بس ایک «میں» کیوں نہ ہوجائیں؟

جدھر نصیب لے جائے ساتھ چلیں!

سورج بادلوں کے پیچھی جا چھپا.

یا بادل سورج کے سامنے آ گئے؟
یہ بدلی ہے یا دن چھپنے کا جُھٹپٹا؟
آج تم نے کورا کاغذ بھی نہ بھیجا!
ساری کلیاں بن کھلی مرجھا گئیں! کس باغ میں جا کِھلیں؟
تم کس کے ہو رہے؟ تم خفا ہو گئے یا بھول گئے؟
دن چھپ گیا اور پھر نہ نکلا تو کیا ہوگا؟
پل بھر کا شک ہزاروں برس لمبی رات سے کالا ہے.
تم بھول گئے تو میری دنیا چوپٹ ہوگئی.
دن دھاڑے رات گھنگھور گھٹا کی طرح گِھر آئے گی!
موت شک سے بہتر ہے! شک موت سے کڑوی ہے! شک
یقین ہوجائے تو جینا جانکنی سے زیادہ ہے.
آنسوؤں کی جھڑی میں پرچھائیں بھی چھپ گئی!
شک کی آنکھوں میں بھی امید کے آنسو نہیں تھمتے! شک
بھی امید کی پرچھائیں ہے!

۳٤

دل گواھی نہ دے تو کیا سمجھوں؟
اور کیا جانیں، ان سے کیا پوچھوں؟
ایک شک سے ہزار شک ابلتے ھیں.
ایک کانٹے میں ہزار کانٹوں کی چبھن ہے!

تیر لگ کے ٹھنڈا کر دے تو چین آ جائے ۔
زخم میں کھٹکتا رہے تو ایک کے ہزار دکھ !
پھانس چبھ کے ٹوٹ جائے تو سوئی کے ناکے سے کریدا کرو ۔
ایک پھانس ڈھونڈنے کے لئے گھاؤ پر گھاؤ لگاتے رہو ۔
تم اگر بھول بھی جاؤ ، تو میں کیسے بھولوں ؟
تمہاری بھول کی یاد کب بھولتی ہے !
نشتر لگے تو ہائے کر کے درد گھٹ جائے ۔
تمہاری یاد کا نشتر کم تھا
جس پر بھول کا نمک چھڑک دیا !
یقین نہیں آتا کیسے بھول سکتے ہو !
یاس کی راکھ میں آس کی چنگاری اب بھی سلگ رہی ہے ۔

۳۵

شاما پھولوں لدی ڈالی پہ چہک رہی تھی ۔
ایکا ایکی بیری کہاں سے ٹوٹ پڑی !
آگے شاما ، پیچھے بیری ،
کہاں جائے ، کہاں چھپے ، کون بچائے !
شاما بیری کو جانتی نہ تھی ؟ چہکی کیوں ؟
بیری کے پروں میں تیر کی تیزی کیوں ہے ؟
شاما نے ٹہنیوں میں سر چھپا لیا ،

بیری نے گھونسلے ہی میں جا لیا.
پھول شاما کے خون میں نہا گئے!
تم نے ایسا باغ کیوں نہ بنایا جس میں بیری نہ آ سکتی؟
دل امید کے پھولوں میں کھیل رہا تھا،
آرزوؤں کے گیتوں سے رُواں رُواں مست تھا،
شک کی بیری کدھر سے آ پڑی؟
تمناؤں کی ٹہنیوں میں بہتیرا سر چھپایا.
مرادوں کے آشیانے میں پناہ لی.
مایوسی نے آرزوؤں کا خون کر دیا!
امیدوں کے پھول لہو میں شرابور ہو گئے!
تم اب بھی بیری کے شک کو دور نہیں کروگے؟
کلیوں کو لہو میں ڈوبنے دوگے؟
پریم کے بھجنوں کا خون ہونے دوگے؟
خط نہیں پتر نہیں، پیامبر نہیں، کس کے ہاتھ سندیسہ بھیجوں؟
دل کی آواز تو عرش تک پہنچتی ہے.
تم کہاں ہو؟

۳۶

وقت باز ہے یا کبوتر؟
کبوتر ہوتا تو باز کے جھپٹے سے کیوں کر بچتا؟

کتنے «کل» کے کبوتروں کا لقمہ کر کے دم لے گا؟
کوئی اس کا بھی شکاری نکلے گا؟
کبوتر پالے تھے تو باز کا انتظام کیوں نہ کیا؟
زندگی کے پھول کھلنے تھے تو موت کی بجلی کیوں باقی رہی؟
جیتے جی نہ ملے تو میں کہاں کی رہوں گی؟
یہاں نہ دیکھا تو کہاں کی امید باندھوں؟
رات کی گود میں دن، صبح کے تکیہ پر رات، سر رکھ کر دم
توڑ دیتے ھیں.
میرے دن راتوں کی گود میں،
اور راتیں صبح کے گھٹنے پر، سر رکھ کے جان دے رھی ھیں.
نہ دن کو آتے ہو نہ رات کو،
کونسا نیا وقت نکالوں جو درشن دو؟
دل میں، نہ دن ھے نہ رات،
نہ کل ھے نہ آج، ہر دم «اب» ھے!
تمہارے لئے «اب» بھی نیا وقت نہیں؟
کیا وقت بھی تمہارے دیدار کا پیاسا ھے؟
گئے کو ڈھونڈھتا ھے یا آنے والے کو؟

خزاں کے دریا کے کنارے کون کھڑا ھے؟

پت جھڑ اور بگولے؟
سوکھے پتے اور خاک آسمان کی خبر لاتے ہیں.
بہار میں خوشبو کا دھواں کرنوں کی سیڑھی بنا لیتا ہے.
اب میں کہوں کہ تم بگولوں میں چھپ چھپ کے ناچتے ہو،
اور بہار کی دھوپ کی شیشیوں میں پھولوں کی خوشبو بھرتے ہو،
تو لوگ مجھے پاگل بنائیں گے!
میں چپکے چپکے تمہارے رقص کی اداؤں کی خوشبو دل میں
بسا لیتی ہوں.
اکیلے میں بسے ہوئے آنسوؤں سے جی بہلایا کرتی ہوں.
تم بھی کہو گے یہ دیوانہ پن ہے.
پھر اب سمجھ کی بیہوشی کہاں سے لاؤں؟
تمہیں کس طرح بھول جاؤں!
تمہیں بتادو رنگیلی پنکھڑیاں سوکھی پتیوں کی طرح بگولوں میں
کیوں نہیں ناچتیں؟
خاک کے بے بس ذروں کو کون آسمان تک پہنچاتا ہے؟
یا میں یہ سمجھ لوں کہ جوانی کی انگڑائیاں
مرتے دم کی جانکنی سے تمہیں زیادہ پسند ہیں؟
اور یہ سمجھ لوں تو جانکنی کے چین سے بھی ہاتھ دھو
بیٹھوں؟

شربتِ دیدار کے بدلے جانکنی کا کڑوا گھونٹ!
جان نکلتی کیوں نہیں!
سانس کنھچ کنھچ کے واپس آجاتا ہے.
لہر، ڈوبتی ہوئی کشتی کو بار بار کنارہ پر لا ڈالتی ہے.
ٹکڑے ٹکڑے کر کے بھی چین نہیں دیتی،
بکھرے ہوے انجر پنجر بھی جھکولے کھا رہے ہیں.
ساحل کی چٹانوں سے آ آ کے ٹکرا رہے ہیں.
کنارے سے لپٹ لپٹ کے بہے جا رہے ہیں.
ہاتھہ پیروں کی نسیں کھنچ رہی ہیں.
دم چھاتی مین اٹکا ہوا ہے.
بوٹی، بوٹی، رگ رگ سے، زندگی مل مل کے وداع ہو رہی ہے.
اف، اف! آخری سانسوں میں کس بلا کی کڑواہٹ ہے.
اب آئے بھی تو کس کو دیکھو گے!
پتلیاں پھر چکیں، ڈھیلے پتھرا گئے.
تمہیں ڈھونڈتے ڈھونڈتے آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں.
آس؟ کس کی آس!
کسے دیکھنے کی آس!

۳۹

شفق کا لاکھا ہونٹوں پر جمائے،
بجلی کی مہندی ہاتھوں میں رچائے،
تاروں کی افشاں ماتھے پر چنے،
چاند کا جھومر مانگ میں سجائے،
چاندنی مانگ میں بھرے،
اِدھر سے اُدھر کون نکل گیا؟

اجل نشان ہے کس کے قدم کے فتنہ کا؟

سورج نے ہاتھ بڑھا کے روشنی کی کتاب رات کے طاق پر
رکھدی۔
موت نے دن کی آنکھ رات کے پپوٹوں سے ڈھانک لی۔
دل کے زخموں کی بہار پر اجل نے خزاں کا مرہم رکھدیا۔
پرچھائیوں کے بیمار کو نیند آگئی۔

پرچھائیں کا دوسرا رُخ

یادداشت

پرچھائیں کی انتالیس جھائیاں ہولیں، اور عدم کی اکیلی پرچھائیں نے ہستی کی امید کے پورے باغ کو کالی گھٹا کی طرح گھیر لیا، آرزو کے عندلیب کا شک کے شکرہ نے پیچھا کرکے دل کے آشیانہ میں خون کردیا، اور زندگی کی ریت گھڑی کا اوپر کا شیشہ خالی نظر آنے لگا!

فطرتی تقاضہ نے امید کی ریت گھڑی الٹ کر رکھدی اور ماضی کی ریگ مستقبل کے شیشہ میں گرنے لگی. اور حضرت بیدل کے مصرعہ کے مطابق « پراست وقت وگر انچہ این زماں خالی ست » کا تماشہ شروع ہوگیا.

اگر وقت شیشۂ ساعت کو الٹ کے رکھہ دے تو کیا ہو! وہ ریگ حقیقت جو « آج » اور « اب » کی تنگنائے میں سے ماضی کے شیشہ میں جمع ہوتی رہی ہے، مستقبل کے شیشہ میں گرنے لگے. مستقبل ماضی. اور ماضی مستقبل ہوجائے. پرچھائیاں الٹ پڑیں، وقت کا دریا عدم کے سمندر سے پلٹ نکلے اور وادی صحرا کو طوفان بے پناہ سے سیراب بلکہ زیر آب کرتا ہوا پہاڑوں کے سینوں میں واپس جا پہنچی. خزاں اور

بہار کا تعاقب الٹ جائے، اجل کی زنبیل خالی ہونے لگے، قبریں اپنے دروازے کھول دیں، زندگی کی ہوا کا رخ بدل جائے، بڈھے جوان ہوجائیں، جوان بچے، اور بچے رحم مادر میں تخم، اور تخم محبت کے شعلے میں چنگاری بن جائے، اور چنگاری پتھر کے جگر میں پھر جا سوئے. یہ آخری سفر ذرا تیزی سے ہوا، ورنہ درمیانی منزلیں بہت ہیں. اور بالآخر روئے زمین نوع انسان سے خالی ہو کے ایک گوئے آتشیں بن کے سورج کی گود میں جالیٹے، اور نظام شمسی کا دفتر طے ہوکر تقویم کائنات کنار عدم، اور عدم «عالم ہُو» میں اپنی ہستی پر غور کرتا نظر آئے! پناہ! پناہ!

برق خیال نے ازل و ابد کے قلابے ملادئے.

مگر یہ سفر ایک جست میں تھوڑی طے ہوگا. اس کے لئے بھی وقت کی رفتار سے ابد الآباد کی منزلیں پیش آئیں گی. رجعتی منزلوں کا بتدریج سفر ایک عالم رکھتا ھے. کاروان حیات کی واپسی ابتدائی سفر سے شاید زیادہ دلچسپ ہو، ریت گھڑی الٹ جائے تو آخری ذرہ مستقبل کے شیشہ میں سب سے پہلے گرے اور پھر تواتر اور تسلسل سفر باز گشت کی منازل کو ترتیبِ ماسبق کے برعکس جاری کردیں.

ایک موت کی پرچھائیں نے حقیقت کی دوسری جھائیں کا

دروازہ کھول کے ایک نئے لطف اور تازہ امید کا دامن پکڑ لیا. بالآخر عشق حسن کو بے نقاب دیکھنے کی امید میں مستقبل کے سبز باغ چھوڑ کے ماضی کے دفینے کھودنے لگتا ھے. عرض کے ملبوسات سے تنگ آ کر خالص جوہر کی طرف رجوع کرتا ھے.

اس سیلاب زمانہ کے الٹ جانے سے «مد» صورت «جزر» اور «جزر» صورت «مد» اختیار کرلیتا ھے. کون انکار کرسکتا ھے کہ ازل کی خلوت گاہ میں عشق و حسن اور حسن و عشق ایک نظر آئیں گے اور ظاہری دوئی کا پردہ ھٹ جائے گا.

دلچسپ بات یہ ھے کہ اس رجعتی استظہار میں بھی جب چرخ تصاویر تیزی سے گھومے گا، موت وزیست کا دور زیست و موت ھی کا دور نظر آئے گا. خاک سے پھولوں کی واپسی، کلیوں اور بیجوں کے منازل سے گذریگی اور بیجوں سے پودوں کا اگنا اور پودوں میں کلیوں اور پھولوں کا کِھلنا معلوم ھونے لگیگا. بہار اور خزاں متعاقب نظر آئیں گے اور ہر چیز جوں کی توں دکھائی دے گی.

«آج» خواہ مستقبل کے بطن سے نمودار ہو یا ماضی کے، دریا منبع سے دہانہ کی طرف بھی یا دہانہ سے منبع کی

طرف، امید کا ریگستان مستقبل کے بالائی شیشہ سے ماضی
کے زیرین شیشہ میں گرے یا اس کے برعکس، نتیجہ ایک
ھی ھے۔

شمار آمال کی تسبیح کا چکر بدستور قائم رہتا ھے۔
یہی حیات جاوید ھے۔ یہی قیام ہستی کا دوسرا رخ ھے۔
اگر یہ بھی موہوم ھے، تو حقیقت موہوم کا کیا پوچھنا اور
کیا کہنا۔

۱

تم نے ایک دھوپ گھڑی اور ایک ریت گھڑی بھیجی تھی۔
دھوپ گھڑی کی پرچھائیوں نے دن دن بھر دھوپ میں بٹھایا۔
ریت گھڑی نے راتوں تارے گنوائے۔
گھڑی گھڑی، پل پل، انتظار کر کے ترازوؤں میں تولا کی۔
امید کی ایک پرچھائیں آ کر نہ ٹھری۔
آتے دیر نہ ہوتی تھی کہ آگے نکل جاتی تھی۔
یا میں آگے دیکھنے لگتی تھی اور وہ پیچھے رہ جاتی تھی۔
دیدار کی ایک ایک آرزو کا ذرہ گِنا کی،
ریت گھڑی کی ریت سے میری تمناؤں کی گنتی کیا ہوتی!
گھڑی گھڑی الٹ کے رکھ دیتی تھی۔
یہ خانہ خالی ہوتا تھا تو دوسرا بھرنے لگتا تھا!
تمھیں نہ آنا تھا نہ آئے!
اب کیا آؤ گے!
ہم نہ ہوئے اور تم آئے بھی تو کیا آئے۔
جو جئیگا وہ دیکھیگا، ہماری آنکھیں تو ترستی چلی جائینگی۔
یہ ریت گھڑی تمھاری بھیجی ہوئی نہ ہوتی تو اسے چورا چورا کردیتی۔
دھوپ گھڑی خاک مین ملا دیتی۔

جب تک تم نہ آلیتی وقت کو ایک قدم نہ آگے بڑھنے دیتی۔
جوانی کا ایک بال نہ بیکا ہونے دیتی۔

۲

بس یہی آخری سانس ہے!
وقت کی بیتابی نے کام تمام کردیا۔
کیا میری آرزو اتنی بوجھل تھی کہ عمر کی کمر دوہری ہوگئی؟
کیا تمناؤں کے ہجوم سے سانس گھٹنے لگا؟
آنکھوں میں اندھیرا چھایا جاتا ہے۔
دل ڈوبا جاتا ہے۔
وقت کے پہئے گھرّانے لگے،
شاید اب زمانے کی رتھ ٹھہر جائے گی۔
یہ کس کی آواز تھی؟
تم آگئے؟
یہ کس نے ہاتھ پر ہاتھ رکھا؟
تم ہو! یہ ہاتھ تمہارا ھی ہوسکتا ہے!
نہیں نہیں، میرا سانس نہیں رکا
تمہاری آواز سننے کو دم روک لیا تھا۔
تمہارا ہاتھ چھوتے ھی بدن میں سنسنی پھیل گئی۔

اتنی دیر کیوں لگائی؟
اتنی راہ کیوں دکھائی؟
ڈر کے مارے آنکھیں نہیں کھولتی!
کہیں پھر پرچھائیں دکھا کے نہ چلے جاؤ.

۳

«اب» آ کے ٹھیر گئی. وقت کا عقاب پر سمیٹ کے گھونسلہ
میں بسیرا لے رہا ہے.
صبح اور شام مل گئے، دن اور رات ایک ہو گئے.
زندگی کی موج ساحل کے آغوش میں سو گئی.
کاروان ہستی عدم کی منزل سے گذر گیا.
مستقبل اب ماضی کا انتظار دیکھ رہا ہے.
ریت گھڑی کا خالی شیشہ الٹ کے نیچے آ گیا؟
تم کیا جانو مجھ پہ کیا گذری؟
جو آنسو تمہیں ڈھونڈنے نکلے ذرا ان سے پوچھو!
جن امیدوں نے پل پل کی خبر سنائی ان سے دریافت کرو.
جن پرچھائیوں نے بھول بھلیاں میں دھکے کھلوائے انہیں بلواؤ.
جن نظروں نے آسمان زمین چھان مارے ان کے پاؤں کے
چھالے دیکھو.

ایک ایک پل میں جو ہزار چھالے پھوٹے انہیں گنو.
کانوں کی ترازوؤں نے جن آوازوں کو تولا انہیں سنو.
ہاتھوں نے جو خاک چھانی اسے تولو.
دل میں جن تمناؤں کی راکھہ کا ڈھیر ہے اسے چھانو.
اب پوچھتی ہو کیا گذری ؟
اب کہتی ہو میرا دل تم میں پڑا تھا!
دم بھر کو نہیں بھولا،
یہ تو نہ کہو، دم بھر کو جدا نہیں ہوا!

٤

تمہارے پتھر دل کو کیا خبر!
جو مجھہ پہ بیتی میرے دل سے پوچھو!
یا سننے گننے والوں سے!
میری بے چینی،
سمندر کی موجوں میں دیکھو!
میری تڑپ کا حال،
اس کبوتر سے پوچھو جو باز کے پنجوں میں ہو!
میرے درد کی تکلیف،
اس دکھیا سے پوچھو جو سہ سکے نہ بیہوش ہو!

یہ خوب کہا!
«دکھ سہ کے سکھ دوگنا ہو جاتا ہے»!
تو، کیا جان کے، آج کے سکھ کے کارن دکھ دیا تھا؟
دل کے ٹکڑے تو گنو!
مجھی ادھورا ھی سکھ بہت ہوتا!
جو مجھ پہ گذری تم نے سہی ہوتی،
تو پوچھتی «شکوہ کب ختم ہوتا ہے»!
تم سے کیا پوچھوں کہ تم پہ کیا گذری،
تمہارے دل کو لگتی تو یوں تڑپتا چھوڑتے؟

٥

کیوں؟ پھر گھوڑا کسوانے کا حکم دینے لگے!
پھر کہیں جاؤ گے؟ مجھی چھوڑ جاؤ گے؟
ذرا دیکھو! وقت بے غل و غش سو رہا ہے!
تمام عالم پر خاموشی چھائی ہوئی ہے.
صبح کافوری بادلوں کی چنی ہوئی اوڑھنی اوڑھے کیسی سہانی لگتی ہے!
کہیں سانس کی آھٹ تک نہیں،
ایک دنیا ہے جو تصویر ہو کر رہ گئی،

نہ کلی کو کھلنے کا شوق ھے نہ پھول کو مرجھانے کا ڈر!
نہ «اب» پیچھے ہٹتی ھے نہ آگے بڑھتی ھے.
«کیا کہا؟ تم ہو اور میں!»
«نہیں میں ھی میں ہوں»
«تم میرے دل میں ہو، مجھ میں ہو! نہیں! میں ھی میں ہوں».
اس سکون، اس چین، اس ٹھیر جانے کی تلاش تھی!
یہاں پرچھائیں کی پرچھائیں بھی نہیں!
«تم» نے اس دائمی گھڑی کے کارن کیا کچھ نہیں جھیلا.
اب سفر کا نام نہ لو، ہلنے کا خیال نہ کرو.
میرے دل سے بڑھکر کونسی منزل ھے؟
جو کچھ یہاں ھے اس سے زیادہ کہاں پاؤ گے؟
کرن سورج مین سما جائے، مہك پھول میں بس جائے،
لہر ساحل سے لپٹ کر سوجائے،
ھستی عدم پر چھا جائے،
اجل کی پرچھائیں ھمیشگی کے دریا میں ڈوب جائے،
تو پھر کدھر جاؤ گے؟

٦

سکون میں بے چینی!
دل کے دروازے بند ھیں.

کھول دوں تو کدھر جاؤ گے؟
میں بھی ساتھ چلوں!
ہاں! یہ منظور ھے! نہ اکیلی جاؤ، نہ مجھی اکیلا چھوڑو!
اور کہیں جانے کی ضرورت کیا ھے؟
یہیں بیٹھ کے میری سنو، اپنی سناؤ.
جدائی میں کیا دکھ بھگتا، اس دکھ میں کیا سکھ پایا؟
کہانی ابد الآباد تک ختم نہیں ہوگی.
جس دم سے تم آئے وہاں سے لوٹوں؟
مرجھائی پنکھڑیاں خاک سے اٹھ کر پھول بنیں، پھول کلی ہوا،
کلی بیج بنی، بیج پھر کملاتے ہوئے پھولوں میں رنگ و بو سمیٹنے لگے،
پھر کملائے پھول کھلی، لھکتی پنکھڑیاں کلی میں جا چھپیں.
کلی پتوں مین جا سوئی،
گھنی بیلیں جھولے لپیٹ جڑوں کے دروازے ٹٹولنے لگیں.
پانی نے زمین سے کہا:
«بچے بھوکے ھیں، دودھ پلاؤ».
زمین سے روشنی نے کہا:
«ابھی سوتوں کو نہ جگاؤ،
کھیلتے کھیلتے تھک کے سوئے تھے اب اٹھیں گے».
یاس امید بنی، آس ہوئی.

میں تمھیں یاد کرتی تھی، تم نہ جانے کہاں تھی.
کہانی لوٹ کے سنو یا پلٹ کے، دکھ سکھ، سکھ دکھ
دوہراتے دوہراتے چکر بندھ جائے گا.
سکھ کی چاندنی میں پرچھائیں، پرچھائیں میں چاندنی نظر آئیگی،
دکھ کی بھول بھلیاں میں آنکھ مچولی دکھائی دیگی.

آواز خاموش

۷

اپنی کہتی ہو، سنو اور کی بھی!
تم پہ جو بیتی وہ پرچھائیں تھی.
اور پرچھائیں بھی کچھ دھندلی سی!

تم کلی پھول وہاں دیکھا کیں،
موت یہاں زیست سے تھرّاتی تھی!

تم مہک سونگھ کے خوش ہوتی تھیں!
اور یہاں آنس نکل جاتا تھا.

تمھیں شبنم کی چمک بھاتی تھی،
یہاں آنسو کی لڑی تھمتی نہ تھی!

تم گھٹاؤوں میں امنگ پاتی تھیں،
اور یہاں آہ کے بادل تھے گھرے!

آپ کی صبح، سہانی ہر صبح،
اور یہاں چاک گریباں ہر دن!

واں شفق دل کی تمنا کی بہار،
اور یہاں خون کے داغوں کی خزاں!

رات تاروں بھری امید سے واں!
اور یہاں داغ جدائی کا شمار!

تمھیں پرچھائیاں بہلاتی تھیں.

درد کا عکس تھا آئینہ میں
نہ سنو میری حکایت نہ سنو

۸

کارواں زیست کا امید کے پہیّوں پہ وہاں،
یہاں ھستی کے جھکولوں سے عدم بھی نالاں.

تم جدائی میں بھی خوش تھیں کہ تھی ملنے کی امید،
اور یہاں روز قیامت سے بھی ہر پل لمبی.

آپ کے وقت کے پر تھی امید،
اور امید یہاں بے پر تھی.

کشتیء عمر وہاں بہتی تھی،
اور یہاں؟ ساحل بے خمیازہ!

تم تو خوابوں کے تموج میں بھی خوش،
اور یہاں دیدۂ ہستی بے خواب.

سر زمیں موت کی وہاں زیست کے بیجوں سے ڈھکی
اور یہاں موت کے دروازہ پہ بھی قفل جڑا

تمہیں گزرے ہوئے افسانے بھی بہلاتے تھے،
اور زمانے کے گزرنے کا یہاں نام نہیں!

آج کے بعد وہاں کل بھی تو تھی،
کل کی کروٹ کو ترستی رہے یہاں.

شامہ امید کی وہاں گیت سنا دیتی تھی،
گیت تو گیت یہاں غل بھی نہ تھا.

میرا قصہ نہ سنو میری تمنا دیکھو

۹

لو چلو ساتھ چلو سیر تمنا کر آئیں!
عدم و ہستی کی کل بھول بھلیاں دیکھیں!

یہ ھے دل! جس میں تمناؤں کا طوفان اٹھا،

جس میں گرداب پڑے ، جس کا بھنور وقت بھی ھے ۔
یہ ھے وہ آگ جو ایک مرتبہ لگ کر نہ بجھی ،
جس نے سب پھونک دیا موت ھے شعلہ جس کا !
یہ ھے وہ بحر ، کہ جس کا کبھی ساحل نہ ملا
جس میں سب ڈوب گئے ، عشق ھے جسکی لہریں !
یہ ھے امید کا صحرا ، جو سراسر ھے سراب !
اس میں پرچھائیاں ھیں ، اس میں جنوں بے خود ھے !
تھک گئیں ! نیند کا بستر کھولو !
خواب کی چادر اوڑھو ۔
جو خوشی غم کے سہارے نہ چلے ، غش کھا جائے ،
دکھ جو غش کھائے ، خوشی بن جائے ۔
چین آیا ھے تو بسرام کرو یہ نیند کیا ؟ وقت کے دریا میں
بھنور !
جاگنا دکھ میں سکھ میں سو جانا ،
یہی دکھ ھے جو نیند ڈھونڈتا ھے ،
یہی دکھ ھے نہ جھپکنے دے جو آنکھ ،
یہی سکھ ھے جو کہیں مل جائے ،
میرا قصہ نہ سنو ! میری اذیت سمجھو !

۱۰

تم تو کہتی تھیں جو مل جاؤ ، نہ جھپکیگی یہ آنکھ ،
تم تو نکلی تھیں تمنائیں مری دیکھنے کو .
ابھی تو ساحل دل ہی پہ نظر پہنچی تھی ،
نہ کہیں موج ، نہ کشتی نہ کہیں بندرگاہ !
طرف جادہ کے آغوش ہی میں لگ گئی آنکھ !
خواب کے کان میں افسانہ سنایا بھی تو کیا !
نیند کی گود میں دکھ درد لٹایا بھی تو کیا !
قصہ اس دیدۂ بےخواب کا اب کس کو سناؤں !
آئینہ درد جدائی کا کن آنکھوں کو دکھاؤں ؟
یہی کیا کم ہے کہ خوابیدہ مری گود میں ہو !
اس سے بڑھکر بھی ہے کچھ ، میری تمنا ہو تم !
تم میری گود میں سو جاؤ تو سونا ہے حرام .
تم رہو خواب میں ،
تم خواب سو میرا آخر !
میں تمہیں دیکھتا ہوں تم مجھے کیا دیکھوگی !
تم اگر جاگ اٹھو ، میری تمنا جاگے .
اور جو تم سوتی رہو ،
گود میں میرے یوں ہی ،

خواب میں خواب بڑھے، خواب کا دفتر کھل جائے.

۱۱

تمہارا گندھا ہوا سر میرے زانو پر ہے،
تمہاری پلکوں کی پنکھڑیاں بند ہو گئی ہیں!
تمہاری نظروں کی مہک نیند کی ماتی کلی ہو کر رہ گئی.
تم وہ گیت ہو جو میرے دل کے ساز سے نکلا،
اور نکل کے میرے زانو پہ سو گیا!
تم وہ نغمہ ہو جو جاگے تو میرے سینہ سے نکلے،
اور سوئے تو میرے آغوش میں.
تم وہ روشنی ہو جو سوئے تو دل میں سما جائے،
اور جاگے تو آنکھوں میں بس جائے.
نہیں! وہ مہک ہو جو دل میں سو جائے،
اور روح میں جاگے.
وہ رنگ ہو جو جاگے تو آنکھوں میں کُھبے،
اور سوئے تو دل میں چبھے.
حسن حسن کا، عشق عشق کا عاشق ہے.
حسن عشق کا، عشق حسن کا ماتا ہے.
پھول کھلنے میں، مہک پھیلنے میں مدہوش ہے.
تم آنکھ کھول دو تو خواب اور بیداری ایک ہو جائے.

موج بحر میں سما جائے، بحر ساحل کی گود میں سو جائے.
طالب اور مطلوب ایک ھی آئینہ میں بس جائیں
مدھ اور مدھ ماتے کا گھونگٹ اٹھ جائے.

۱۲

میں شوق ہوں، تم راگ.
تم ساز سے زیادہ میرے دل میں ہو.
ساز میں تمہیں مضراب چاھئے.
میرے دل میں تم ھی تم کافی ہو.
ساز تمہارا پردیس،
اور میرا دل وطن ھے.
تم ساز میں رہ کر بھی
میرے دل سے باہر نہیں.
ساز میں تم ساز کی عمر تک ہو،
میرے دل میں ابد الآباد تک.
تم ساز میں بھی میرے دل کا حال ہو!
ساز سنانے کہاں پاتا ھے،
سننے کے لئے آمادہ کر دیتا ھے.
ساز سناتا کیا ھے؟
سنی سنائی دُھراتا ھے. اٹک اٹک کے رہ جاتا ھے.

اس دل کی راگنی کا حال وہ کیا جانے.
تمہاری بے بہا نزاکتوں کا اس میں کیا ٹھکانہ!
جاگو! میرے دل میں جاگو.
اپنی جنم بھومی کو لوٹو!

۱۳

نیند بھری آنکھیں کھل کے بند ہو جاتی ہیں!
تھکا مسافر کروٹیں بدل بدل کر رہ جاتا ہے.
نشہ میں چور آنکھیں کھل کے بھی ادھوری رہ جاتی ہیں!
موجیں کنارہ تک آ آ کے لوٹ جاتی ہیں!
میری گود اتنی آرام دہ ہے کہ اٹھنے کو جی نہیں چاہتا!
اور میرا جی کب چاہتا ہے کہ کچی نیند میں اٹھ بیٹھو!
کس کا یہ نام لیا؟ پرچھائیں؟ یہاں پرچھائیں کہاں؟
کیسی پرچھائیں، کس کی پرچھائیں!
کیا کہا، خواب؟ خواب میں پرچھائیں؟
ہاں بہت تھک تھکا کے سوئی تھیں!
ابھی اٹھ بیٹھنے کی جلدی کیا؟
شوق سے خوب بھر کے جی سولو.
بیٹھے بیٹھے کہیں نہ تھک جاؤں!
پھر کہیں چھوڑ کے چلا جاؤں!

میں تمہیں چھوڑ کے کہاں جاؤں ؟
دل تمنا کو چھوڑ سکتا ھے !
تم جہاں ہو وہی ٹھکانہ ھے.
دل میرا تم میں، تم میرے دل میں.

۱۴

اب تو جی بھر کے سو لیں، اب پرچھائیاں کیسی !
انگڑائیاں کیوں لے رہی ہو ؟
ابھی تھکن نہیں اتری !
اچھا لو میں نے انیک پرچھائیاں اکٹھی کر لی ھیں،
کل مایوسیاں جنھوں نے تکلیف دی تھی یہ موجود ھیں.
سارے آنسو جو امیدیں ڈھونڈنے گئے تھی بلوا لئے گئے.
اب ان کا کیا کروں ؟
ھاں ٹھیک ھے ! پرچھائیوں کو تو جلوائے ڈالتے ھیں،
اور مایوسیوں کو بھی اسی الاؤ میں جھونک دیں گے !
امیدوں کو کیا کہتی ہو ؟
انہیں رہنے دوں !
تو پھر آنسو بھی رہنے دو !
کوئی امید بر نہ آئی تو کون ڈھونڈنے جائے گا ؟
لو پرچھائیاں تو راکھ کا ڈھیر رہ گئیں !

اب ذرا اس آئینہ میں تو دیکھو!
کچھ دکھائی نہیں دیتا.
اب اس میں دکھائی کیا دے! پرچھائیاں تو تم نے جلوا ڈالیں!

۱۵

اب تم ھی کہدو. آئینہ میں پرچھائیں میری تھی؟
تم تو اپنے عکس کو میری پرچھائیں سمجھ بیٹھی تھیں!
اور اب جو میں سامنے ہوں،
آئینہ میں اپنا عکس دیکھا چاھتی ہو!
کہو! پرچھائیں پھکوا کے خوش ہوئیں!
اب آئینہ میں عکس کہاں سے آئے!
اب تو اپنا چھرہ بھی میری آنکھ سے دیکھو!
ہاں! میں بھی خود کو تمہاری آنکھ سے دیکھونگا.
اور میں نے خود کو اپنی آنکھ سے دیکھا کب؟
جب دیکھا تمہارے آئینہ میں!
اتنی ھی دیر میں تم کیا سے کیا ہو گئیں!
اب آئینہ کہاں؟
زبان کیا بتا سکتی ھے جو آنکھ دیکھتی ھے؟
خود کو دیکھنا ھے تو میری آنکھوں میں آبیٹھو،
یا پھر پرچھائیاں پیدا ہوں!

اچھا تم ھی بتا دو میری صورت کیسی ھے؟
مجھی تو تمہاری آنکھیں بتا رھی ھیں
کہ میری صورت کیسی ھے!
تمہیں میرے چہرہ سے اندازہ نہیں ہوتا
کہ تم کیا سے کیا ہو گئیں؟

۱٦

اڑتا پرندہ کب تک قید رھے؟
وقت پر تولے کب تک کھڑا رھے؟
امید کس طرح پر سمیٹے بیٹھی رھے؟
اٹھو! راکھ ھی کرید کے دیکھیں،
شاید پرچھائیں کا کوئی بیج باقی ہو!
پرچھائیں کے پودے کو اگتے کیا دیر لگتی ھے؟
آرزو کو بڑھتے پل بھر درکار نہیں!
جب تک تم آپ کو نہ دیکھ لو تمہیں کب چین آئے گا!
اور جب تک تم چین سے نہ ہو، مجھی کب چین آئیگا؟
پل پل میں تم کچھ سے کچھ ہوئی جا رھی ہو!
اٹھو! جلدی اٹھو! پرچھائیں کا بیج ڈھونڈیں.
بے چینی کا علاج بے چینی سے کریں.
تلاش کی منزل سفر بنائیں.

امید کا دروازہ کھٹکھٹائیں !
آرزو کے رہبر کو ساتھ لیں۔
راکھ کے ریگستان کا ذرہ ذرہ چھان ماریں۔
اور پرچھائیں پھر مل جائے
تو پھر سے اس کا بیج بوئیں !

۱۷

تم کیا سے کیا ہو گئیں ؟
وہ جسے میری آنکھیں دیکھ رہی ھیں !
جس کا تمہیں گماں بھی نہ تھا !
جسے تم دیکھ لو تو یقین نہ کرو !
میں کیا بتاؤں ؟ کون بتا سکتا ھے !
جسے خود آنکھیں نہ دیکھیں وہ کس کے بتائے سمجھ
میں آئے !
اور خود پرچھائیں بھی دیکھ لو تو دل چین پائے !
خوشی کیا ھے ؟
دل سمجھانے کا نام، تسکین نہ ہو پانے کا مقام۔
تم ھی کہدو، خود کو بن دیکھے چین آ جائے گا ؟
اسی شکار پر وقت کا عقاب جھپٹ رہا ھے۔
اسی امید میں امید اپنا پیچھا کر رہی ھے۔

اسی آس میں پھول کھل رہے ہیں.
اسی آرزو میں زندگی کو چین نہیں.
اسی تلاش میں پرچھائیاں آگے پیچھے پھرتی تھیں!
اسی امید میں مایوسی اپنی گونج سننے سے نہیں تھکتی!
اسی راز کی «دیکھت بھولی» ہے،
جس میں گھس کر موت اپنا دروازہ بند کرنا بھول گئی!

۱۸

مجھے کیا خبر جو بیج بو رہا ہوں اس میں کیا نکلے گا؟
راکھ میں ملا ہے، پرچھائیں کا ہوگا یا مایوسی کا!
ان ہی دو کو تو جلایا تھا!
اتنا جانتا ہوں کہ پتوں میں امیدیں اور پھولوں میں مایوسیاں ہونگی!
نہیں تو پھولوں میں امیدیں اور بیجوں میں پرچھائیاں!
خیال کے بیج کا پھول بھی خیال، اور بیج بھی خیال!
خواب میں، خواب بھی خواب، اور تعبیر بھی خواب!
ہر بیج ایک پرکار ہے،
جدھر قدم اٹھاتا ہے گول دائرہ کھچ جاتا ہے،
جہاں سے چلتا ہے وہیں آجاتا ہے.
اور امید کیا ہے؟

وہ بیج جو قیامت تک پھول دیگا!
اور میں کیا ہوں؟
جدھر بڑھتا ہوں «میں» کا دائرہ کھچتا چلا جاتا ھے۔
اور تم کیا ہو؟
میری آرزو! جتنی بڑھتی ھے، مجھی دائرہ میں لیتی چلی جاتی ھے!
اب اور کونسا آئینہ لاؤں جس میں تم خود کو دیکھ لو؟
تم مجھ میں نہیں تو کہاں ہو؟
میں تم میں نہیں تو کس جگہ ہوں؟

۱۹

میرے ماتھی پہ شکن کیسے ھیں؟
وقت کے نقاب کی چنٹیں تو نہیں؟
ذرا جُھک کے دیکھو!
تمھارے دل میں سلوٹیں کیوں ھیں؟
تمھاری نظر میں جھریاں کیوں ھیں؟
میں تو آئینہ ہوں!
جو دیکھتا ہوں وہ ھی دکھاتا ہوں!
تمھارا دل صاف ہو جائے، میرے ماتھی کا بل نکل جائے!
دیکھنی والوں نے مرجھائی پنکھڑیاں دیکھیں۔
پھول کے دل میں ابد الآباد تک پھول ھی پھول ھیں۔

تمہاری مہندھی کا رنگ اترا،
مگر شفق صبح شام تمہاری فندق یاد کرتی ہے!
تمہارے بالوں کا سونا چاندی بنا،
روز صبح کی کرنیں تمہارے سنہری بالوں کی نقل اتارتی ہیں.
تمہارے چنے دوپٹے کی چنٹیں کُھلیں،
یا دل اپنے دوپٹے چن چن کے بناؤ کرتے ہیں.
تم پرچھائیں دیکھتی ہو،
میں تمہیں دیکھتا ہوں!
دیکھا، پرچھائیں کس تیزی سے بڑھ رہی ہے!
کیوں اب مایوس کیوں ہوتی ہو؟ میں تو نہیں بدلا؟

۲۰

آخر نافرمان کی کلی دلہن کی طرح سر جھکائے کیوں رہتی ہے؟
کہیں کھلنے کی شام سر اونچا کرتی ہے.
اور صبحِ کھلتے وقت سہ‌گوشیہ گھونگھٹ آہستہ آہستہ اٹھتا ہے!
گھونگھٹ کُھلنے پر ریت کا لال جوڑا پہنے
لجائی شرمائی، جوڑے میں سلوٹیں پڑی دکھائی دیتی ہے!
چوتھی تک چاق چوبند، ہونٹوں پہ مسی کا لاکھا،
رخساروں پر برومند ہونے کی سرخی!
تمہیں اپنا دلہناپا یاد ہے؟

نافرمان ہمیشه اسے یاد دلاتا رہتا ھے ! اور ہمیشه یاد دلاتا
رهیگا !
اسی لاله کے ارغوانی ست میں ناقابل برداشت درد کا تریاق ھے ،
اور اسی کے چند اور قطروں میں اجل کی نیند.
مجھی پرچھائیوں میں بھی تم ھی تم نظر آتی ہو !
تم پرچھائیوں سے گھبرا جاتی تھیں ،
میں نے پرچھائیوں کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دیا.
تمہیں انتظار کے آئینه میں جھریاں نظر آتیں تھیں ،
مجھی پھولوں کی چنٹوں میں دلهن کا گھونگھٹ !
تمہیں مرجھائی پنکھڑیاں دیکھ کے دکھ ہوتا تھا ،
میں پھولوں کے عطر میں دلهن کی یاد بساتا تھا !

۲۱

باغبان خزاں نے پھول پتے سمیٹ ،
عدم کے بھکاری کی جھولی میں ڈال دئے !
یه «پُشپانجلی» کسے چڑھائی ؟ سدا بہار حسن کو ؟
ننگی ننگی ٹہنیوں میں تتر بتر گھونسلے ھیں ،
پت جھڑ سے باغ اجڑا ہوا معلوم ہوتا ھے .
تم وہاں بہار کا انتظار کرتی تھیں !
مجھی یہاں بہار زہر معلوم ہوتی تھی !

تمہارا پت جھڑ سے جی الجھتا تھا!
مجھے جدائی میں پت جھڑ اپنے دل کا نقشہ معلوم ہوتا تھا.
تم مرجھائی ہوئی امیدیں جھاڑ کے پھینک دیتی تھیں.
میں مایوسیوں کی راکھ جھولی میں سمیٹ سمیٹ کے رکھتا جاتا تھا.
تم نئے بیج بوتی تھیں،
میں خاک میں بیج ڈھونڈا کرتا تھا.
تم آرزؤں کی دھوپ کی گودی پھیلا دیتی تھیں،
میں آنسوؤں کی شبنم کے موتی بکھیرا کرتا تھا!
تمہیں آنے والے زمانہ کے کارواں میں منزل مقصود کا تحفہ نظر آتا تھا،
میں جانیوالے مسافروں سے تحفے خرید خرید کے جمع کیا کرتا تھا.
تم نئے زیوروں اور نئے سنگھاروں کی فکر میں رہا کرتی تھیں،
میں اترے ہوئے زیور اور کل کا بناؤ سینت سینت کے رکھتا تھا.
تمہاری آرزوؤں کا ہاتھ زمانہ کے اخیر دن کی طرف بڑھتا تھا،
اور میرے دل سے پہلا دن نہیں نکلتا.

۲۲

رات کے سناٹے میں خاموش جگنو،
دن کی چہل پہل میں بے چین تیتریاں اور پھلچسنی مکھیاں!

جگنو کی گپ چپ چاندنی چمکنا اور بجھنا،
ان کا پھول پھول کا منہ چومنا اور گھونگٹ اٹھا اٹھا کے
رس چوسنا!
تم جب سوچ میں ڈوب جاتی تھیں، تمہاری امیدیں جگنو نہیں
بن جاتی تھیں!
اور دن بھر تم ہر آہٹ کو گلے نہیں لگاتی تھیں!
ہر آرزو کا گھونگٹ کھول کے جی بھر کے پیار نہیں کرتی تھیں!
میں رات کو پٹ بیجنے گنا کرتا تھا،
اور دن بھر تیتریوں اور پھلچسنیوں کو تکا کرتا تھا.
جگنوؤں کی آنکھ مچولیاں سمیٹ سمیٹ کے دل میں بھر لیتا تھا،
تیتریوں کا رنگ اور پھولوں کا رس گوند کے تمہارے بت
بنایا کرتا تھا،
چاندنی کے پھول چن چن کے تمہارے لئے گجرے گوندھتا تھا،
خوشبوؤں کا ست ٹپکا ٹپکا کے تمہارے صنمکدے کی گگریاں
بھرا کرتا تھا.
تمہاری سب پرچھائیاں اکٹھی کر کے رکھ چھوڑی ہیں،
ذرا آرسی میں منہ تو دیکھو!
میرے دل کا پردہ اٹھا کر نظر تو ڈالو!
جسے تم آنی جانی سمجھی تھیں،
وہ سب بہاریں یہاں موجود ہیں.

راگ کی جدائی کی ہر چوٹ سے بین کے تار کانپ اٹھتے ھیں.
نہیں تو گیت کو گود میں لئے عیش کی محویت میں کاٹتے ھیں.
میرا دل جدائی کے زخم سے لرز جاتا ھے.
خاموشی دل کی جنت ھے،
جس میں صرف تم ھی تم ہو!
تم دور سمجھتی تھیں،
تمہاری یاد دل کے سکوت کو اف نہیں کرنے دیتی تھی.
تم کہتی تھیں 'بولتے کیوں نہیں، جواب کیوں نہیں دیتے'.
جسے جواب دیتا تھا وہ دل میں خود ھی سوال اور خود ھی جواب تھا.
خاموشی کو تمہاری باتوں کا جواب دینے سے فرصت کب تھی؟
خاموشی کے سمندر میں بے آواز راگنیوں کی کشتیاں
تمہیں لینے کو دل برابر بھیجتا رھتا تھا.
تم انہیں پرچھائیاں مانتی رھیں.
تم ان کے بادبانوں سے ڈر جاتی تھیں.
مجھے بلاتی تھیں، خود آنے کا نام نہیں لیتی تھیں!
بلکہ موت کا طعنہ دیا کرتی تھیں!
کہتی تھیں موت ھی ہو کر آ جاؤ!
راگ کی کشتی تیار ھے!

آؤ خاموشی کی لہروں میں سیر کر آئیں!

۲۴

تم تو چھاتی کا تکیہ بنائے گُم سُم مجھی تک رہی ہو!
تم تو کہتی تھیں مل جاؤ تو جدائی کی تکلیفوں کے گن گن کے
بدلے لونگی.
اب کس نے روکا ھے؟ دل میں چٹکیاں کیوں نہیں لیتیں؟
کیا خوب! بس ہو لیا شکنجہ! ڈال دیں گلے میں باھیں!
وہ طعنے کیا ہوئے! یہ ہونٹ پیار کے لئے تھے یا طعنوں کے؟
گنگا جمنا کے سنگم پر ملنے کا گیت یاد ھے؟
جمنا نے سنگم کے کنارے دیکھ کے پوچھا:
«کیوں جی! یہ ہونٹ تمہارے ھیں یا میرے؟»
گنگا نے کہا: «ہونٹ تو ہونٹ، اب تو دل بھی تمہارا ھے!
«اور دل اور ہونٹ کیا، روح اور قالب بھی!
«اور یہ سیج بھی تمہاری ھے!»
الگ تو جبھی تک تھی کہ گود الگ تھی!
اور الگ تو جب بھی تمہارے خیال میں تھی!
زندگی کی دھار تم میں اور مجھ میں الگ کب تھی!

⁂

پرچھائیں نے کروٹ لیتے ھی کیا روپ دھارا ھے!
دیکھا! پرانا بیج نئی بہار کی دھلیز نکلا!

چاندنی دھوپ کی چھاں ہے!
یا سورج کا اجالا!
نہ گھٹے نہ بڑھے!
نہ سورج کی نظر سے اوجھل ہو!
زمین کی پرچھائیں کا گھونگٹ الٹ جائے،
تو دھوپ کی طرح چاندنی سدا کھِلی رہے،
نہ ماہ تمام گھٹے نہ کالی رات میں سے ھلال بن کر نکلے!
زمین کی پرچھائیں تو سورج تک کو گہنا دیتی ہے،
دھوپ تک کو جھپٹ لیتی ہے!
میری نظریں سدا بنی ٹھنی دلہن دیکھا کیں!
تمہاری جوانی میری آرزو کی دھوپ کی چھاں ہے!
خاکی پرچھائیں دیکھنے والے ھلال دیکھیں یا ماہ تمام.
میری آنکھوں سے ماہ تمام کہاں اوجھل ہوتا ہے.
جس دن پرچھائیں کا گہن پڑا،
تم نے یہ شک کیا میں بھول گیا!
تم نے جب تھک کے آنکھیں بند کر لیں،
چاند رات کی گود میں جا سویا!
خاکی پرچھائیں کے پنگورہ میں
چاند ہو کر ھلال پھر نکلا.

میرے دل میں سدا اجالا تھا۔
چاند بدلی میں بھی چھپ جائے،
تو کیا چھپتا ہے؟

۲۶

پیڑ میں پھول ہیں، کہ پھول میں پیڑ؟
عشق میں حسن ہے، کہ حسن میں عشق؟
ایک میں دوسرا اس طرح چھپا بیٹھا ہے
جیسے چاند میں چاندنی، اور سورج میں دھوپ۔
وہ بیج کے دروازہ سے آتے جاتے ہیں
اور یہ رات کے۔
جسم میں جان ہے کہ جان میں جسم؟
دھوپ کے ساتوں نہیں لاکھوں رنگ،
شیشہ کے آویزہ کی کھڑکی میں سے جھانکتے ہیں۔
جان بدن کی ٹھوکر نہ کھائے تو خاک میں نہ لوٹے۔
بدن کے کنارے نہ روکیں تو جان کا دریا اور ہستی کا سمندر
ایک ہو جائے۔
تم تو میرا پھول ہو، تم نہ ہو تو میں کیا؟
تم میری امید ہو، تم نہ ہو تو میں کہاں؟
عشق کے دروازے سے حسن جاتا آتا ہے۔

امید کی چاندنی اور آرزو کی دھوپ
جدائی کی کالی رات کا دروازہ جھانکتے ھیں.
خاک کی چھلنی میں آرزو چھن کے
حسن کی چاندنی،
اور جسم کے آویزہ میں جان کی دھوپ چھن کے
رنگ کی قوس قزح بن جاتی ھے.
تم وہ بیج ہو جس میں میری تمنائیں سوتی ھیں.
تم میرا روز ازل، میری قیامت تم ہو.
تم نہ ھو تو میری آرزوؤں کے پھول کہاں کھلیں!

۲۷

تم مرغان چمن کے چہچہے سنا کرتی تھیں،
اور کہتی تھیں "کیا میٹھی بولیاں ھیں!
"یہ کیسے گیت سنا رہے ھیں؟"
میں تمہارے تعجب کی خاموشی پہ کان لگائے،
تمہاری رسیلی آواز کو ترستا تھا!
وہ تمہارے انجان کانوں میں
میری آرزوئیں الاپا کرتے تھے
میرے دل کی کہانی سنایا کرتے تھے!
تم کہتی تھیں "آ جاؤ تو وہ راگ سناؤں جو کبھی نہ سنا! ہو"

اب کہو کس خیال میں چپ ہو ؟
کس گیت میں کھو گئیں ؟
کس گیان میں گم ہو گئیں ؟
کس ہوا میں پر تول رہی ہو ؟
کس بول کی گانٹھ کھول رہی ہو ؟
میرے دل کی ڈالی پہ آرزو کی چڑیاں ،
سہانی نفیری بجایا کرتی تھیں .
موے مستی کا دل ململایا کرتے تھے .
چونچوں کے جھرنوں سے سروں کی پھوار برسایا کرتے تھے .
تم ہی کہو دریا کا چڑھاؤ اچھا ہے ،
یا کنوار کی پھوار ؟
خاموشی کا بہاؤ بھلا ہے ،
یا بین کی لہکار ؟
میرے لئے چڑھاؤ اتار دونوں ایک ہیں .
یہی اتار چڑھاؤ میری راگنی کا بہاؤ ہے .
اسی چڑھاؤ اتار میں میرے سُر کا سنگھار ہے .

۲۸

پھول روز تازے رس کے پیالے بھر بھر کے رکھتی تھی .
اڑتے پنچھی ایک ایک خالی کر کے اڑ نکلتے تھی !

آنکھیں، دیکھنے کی آرزو کا رس بھر بھر کے بیٹھی تھیں.
وقت کا پکھیرو، پیالیاں خالی کر کر کے چھو ہو جاتا تھا!
تمہاری آنکھیں مجھے ڈھونڈے نہیں پاتی تھیں.
میری آنکھ تمہاری رسیلی آنکھیں دیکھا کرتی تھی!
تم ھی کہو، رس چکھنے میں ھے، یا چکھنے کی امید میں؟
لطف شراب میں ھے، یا پینے کی امید میں؟
نشہ کا اتار پینے میں ھے، یا پی چکنے کے پیچھے؟
رس چوس کے شکرخورہ کب ٹھہرتا ھے!
شراب پی کے نشہ کب ٹھہرتا ھے!
امید کا نشہ اترے تو آرزو کا چہرہ نظر آئے!
حسن کے نقاب اٹھیں تو عشق کی برہنگی ڈھکے!
شعلہ ھے شمع کی آنکھوں میں، نہ پروانہ کی.
شعلہ خود حسن کی بھی آگ ھے اور عشق کی بھی.
تم مجھے ڈھونڈو، تمہیں میں ڈھونڈوں.
اور جو مل جائیں تو «ھم» «تم» ہو نہ «میں».
ہاں! جو مل جائیں تو تم «تم» ہو نہ «میں».
آؤ! پھر چھائیں مائیں کھیلیں.

جس دل میں چیٹک نہ ہو پتھر سے بدتر ھے!

پتھر میں بھی آگ ہے!

اک ذرہ چھیڑئیے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے

جس دل میں امید کا انگارہ نہ سلگے راکھ ہے۔
راکھ کے ڈھیر میں کیا رکھا ہے۔
چلو پھر ایک دفعہ عدم کے نئے کارخانے دیکھ آئیں۔

۳۰

دکھ کے کنارے سکھ کی بنسری بج رہی ہے،
بنسری کے بول دکھ کی کہانی سنا رہے ہیں۔
سکھ کی بپتا دکھ میں ڈوبی ہوئی ہے۔
کس سے پوچھوں کہ دکھ کا کنارہ کس سکھ کو ڈھونڈتا ہے؟
سکھ کی موجوں میں دکھ کا کیوں بھنور پڑتا ہے؟
اور سکھ کی نیّا دکھ میں کیوں ڈوبتی ہے؟

حـرف آخـر

« پرچھائیں » اور « پرچھائیں کا دوسرا رخ »، یعنی پیالـۂ شرب مدام میں عکس رخ یار، اور ریت گھڑی کے ذرات گنتے گنتے تھک تو نہیں گیا تھا، مگر اکتا گیا تھا کہ سلسلۂ لامتناھی کسی طرح ختم ہونے میں نہیں آتا، کہ یکایک فکر جانگداز لاحق ہوا. چاروں طرف مردوں کی کھوپریاں نظر آنے لگیں اور اُن کھوپریوں کے مینار پر خودی یا « میں » کا بت نصب نظر آیا. چنانچہ باوجود نقش ونگار کے فن سے قطعاً نابلد ہونے کے ایک نہایت ھی انگھڑ قسم کا سلسلہ کٹکھنوں کا بنانا شروع کیا، ایک عجیب تخیل کا نقشہ سامنے آیا، جو سر ورق قرار پایا.

خمار خودی نے بڑھکر عدم کے خاموش آتشکدہ میں آگ کے شعلے روشن کئے اور اس اگیاری کا اندرونی ستون کھوپریوں کی بنیاد پر اور کھوپریوں کے پتھر چونے سے تعمیر ہونا شروع ہوا. گو حقیقتاً خودی نے سب سے پہلی حسن

ظاہری کا خواب دیکھا۔ میرے قلم سے بھی سب سے پہلے ایک انسانی چہرہ کی پرچھائیں نکلی، نہیں بلکہ ادراک کے فتیل سوز کا اوپری حصہ اور اس میں شعلۂ سرمدی کھنچا، اور پھر اس خواب کی تعبیر جو شروع ہوئی تو ہاتھ بننے لگے مگر ہاتھ ایک باز کا خونچکاں پنجہ بن گئے، پنجہ میں کٹے ہوئے سر۔ دوبارہ خیال نے کروٹ لی اور یہی بن‌مانس کے کُڈھپ بڑے بڑے ہاتھ ہو گئے جس میں کٹے ہوئے سر تھے۔ نیچے اتر کر بجائے پاؤں کے عقاب کے پاموز پنجے بن گئے۔ اور آشیانہ میں عقاب زمانہ کے پنجے بجائے انڈوں کے کھوپریوں پر ٹک گئے اور آشیانۂ حیات بحر ہستی میں جو خودی کے اندرونی ستون کے گرد و پیش لہریں لے رہا ھے، بلبلہ کی طرح قائم ہو گیا۔ اس سمندر کی تہ عدم کے شعلوں پر ٹھیری اور عدم کے شعلے خمار خودی کے ناپیدا کنار، بے پایاں، نادیدہ تموج پر ٹکے۔

انسانی چہرہ نے جو اس مینار یا ہرمہ یا فتیل سوز کے کاسہ کے نیچے ظاہری حسن کی نشانی تھا، گلے میں کھوپری کی ڈگڈگی پڑی پائی اور سر پر کاسۂ فتیلہ سوز میں ادراک کا تیل جس میں سے ایک روشن شعلہ چراغ سرمدی کا نمودار ہوا اور بیخودی کے دھوئیں میں غائب ہو گیا! اسے خواب کہوں، حقیقت کا عکس کہوں، حقیقت مطلق سمجھوں، مینار خودی

بناؤں، گورستان خودی ظاہر کروں یا «نیا شواله» بنا کے
چین لوں؟

بہرکیف یہ میری کائنات تو ھے نہیں اس میں «اس طرف
کا بھی اشارہ» تھا. بلکہ اشارہ کیا بالکل یہ کیفیت تھی جیسے
کسی بچے کا قلم پکڑ کے اس کے ہاتھ سے تصویر بنوانے کی
کوشش کرتے ھیں اور اس میں کچھ الٹی سیدھی لکیریں کھنچ
کر ایک بھونڈا بھدا چہرہ بن جاتا ھے، مگر ہوتا ھے صورت
کا خاکہ.

یہی کیفیت اس مرقع ابجدی، و تصویر سرمدی کی ھے.
سیدھا کر کے دیکھئے تو، الٹ کر نظر ڈالئے تو، خمار خودی کی
ترنگ، دوران خون کی طرح، چراغ ادراک کے سر تک، پہنچتی
ھے، اور شعلۂ سرمدی کو روشن کر کے دود بیخودی میں گم
ہو جاتی ھے. کون کہہ سکتا ھے کہ خودی اور بے خودی کی
سرمدی سرحدیں کہیں مل نہیں جاتیں اور اس طرح روز ازل کا
ساحل روز ابد کے کنارے سے ٹکرانے نہیں لگتا!

اس حیرت انگیز دور کون و مکاں، و مکاں و زماں کے
ربع جہات میں «میں» کیا کیا نہیں کرتا، کیا کیا نہیں دیکھتا،
کیا کیا نہیں سنتا، کیا کیا نہیں چکھتا، کیا کیا نہیں سونگھتا،
کیا کیا نہیں چوستا؟

هفت صد هفتاد قالب دیده ام

مگر جہاں پاؤں پڑتا ھے کھوپری پر ، جدھر قدم اٹھتا ھے گورستان کی گود پھیلی نظر پڑتی ھے ! «میں» نے وہ صورت جو شعلۂ ادراك کے اندر ھے بنانے کے لئے کتنی ھڈیاں آتش عدم کے سپرد نہیں کیں بلکہ سچ پوچھو تو شعلۂ عدم اِن ھی خوابوں کی سوکھی ھڈیوں کے صدقہ روشن ھے. ورنہ شعلۂ ادراك کبھی کا بجھ چکا ہوتا. اور اگر عدم کی بھٹی گرم نہ رھتی تو اجسام اور عناصر پگھلا کے نئے خوابوں کے مجسّمے تیار نہ کئے جا سکتے. یہی آگ ھے جو سینۂ اخگر بلکہ سینۂ ذرۂ خاك سے لیکر قلب کائنات تك عشق مطلق کے شعلۂ نامتناھی سے گرم اور سوزاں رکھتی ھے.

اعتبار ھستی موت ھے ! اعتبار موت ھستی.

سلسلہ ھستی کا ھے ایك بحر نا پیدا کنار
اور اس دریائے بے پایاں کی موجیں ھیں ہزار

— اقبال

اب دیکھئے ، مانیء خیال اس قرطاس سادہ پر کون اژ رنگ تیار کرتا ھے ! یہ کہنا دشوار ھی نہیں ناممکن ھے کہ انسان خواب خودی کی تعبیر ھے یا ہو سکتا ھے . «انسان» اس ھستی میں جو دریائے بے پایاں ھے ابھی مزار کے مرتبہ سے ممتاز نہیں ہوا ، مگر سیل ھستی ایك دن اس موج کو بھی غرق گرداب عدم کر کے چھوڑیگا اور وہ دن بھی آئیگا کہ یہ

سیل کناروں سے بھی نکل جائے.

اور حقیقت تو یہ ھے کہ انسان جس درجہ نا اھل ثابت ہوا اس کا تو تقاضہ یہی ھے کہ:

این دفتر بے معنی غرق می ناب اولیٰ

صورت انسان کی سہی مگر اعمال بن مانس کے ھین. آنکھوں میں خمار خودی، ہاتھوں میں کٹے ہوئے سر، پیر سوکھی ہوئی کھوپریوں کے ڈھیر پر، بظاہر سر پر ادراک کا چراغ، مگر حقیقت میں رگ و ریشہ میں خودی کا فتیلہ جو شعلۂ سرمدی کا متمنی، اور دود بیخودی میں غائب! زیادہ سے زیادہ اتنا ممکن ھے کہ یہ انسان صورت، حیوان سیرت، جہاں اور حیوانوں کی کھوپریاں ڈھیر ہو کر رہ گئیں وھیں ایک دن خود بھی اس ڈھیر میں مل جائے اور وہ آنے والا فوق البشر — جو اس ڈھیر پر کھڑے ہو کر خود شعلۂ سرمدی بن جائیگا — پیدا ہو، بڑھے، جوان ہو، اور پروانہ کی طرح شمع ابدی میں جل بھن کر گرے اور اس کھوپریوں کے ڈھیر کو بجلی کی آگ لگا کے راکھ کردے.

۱

اندھیرے کی رگوں میں جو روشنی کا خون ھے،
چراغ کے نشتر سے بہہ نکلتا ھے،
وقت زخم بھر دیتا ھے، اندھیرا جیسے کا تیسا ہو جاتا ھے.
ارمان کی رگوں میں رنج کا خون ھے،
جدائی کے نشتر سے بہہ نکلتا ھے.
زندگی بھر زخم نہیں بھرتا.
امید کی رگوں میں یاس کا خون ھے،
خواهش کے نشتر سے بہہ نکلتا ھے،
موت زخم بھر دیتی ھے.
امید اندھیرے میں چراغ جلاتی ھے،
یاس کی روشنی امید کے منه پر آنچل ڈال دیتی ھے،
زمانه امید کی پرچھائیاں بانٹتا ھے،
اندھیرے کے زخم بھرتا نکل جاتا ھے.

ارماں، رگِ امید میں ھے یاس کا لہو
نکلے ہزار بار جو فصاد مل سکے

۲

کس ریگستان میں آ پہنچے؟ آگے بڑھتے معلوم ہوں نه
پیچھے ھٹتے.

ہر طرف ریت اور بگولے، آندھیوں کے ٹیلے.
گھنٹیوں کی آواز آتی ھے، دکھائی کچھ نہیں دیتا.
آنیوالے کدھر سے آ رہے ہیں؟
جانے والے کدھر جا رہے ہیں؟
ریت کے ذروں کے چراغ لو دے دے کے بجھ جاتے ہیں.
یہ چمک ذروں کی ھے یا سورج کی؟
سورج کی ھے تو ذرے کیوں چمکیں؟
اور چمکیں تو بجھیں کیوں؟
نہیں چمک کے سمندر میں سورج بھی ذرہ ھے!
روشنی کی کنجی ذرہ کے کواڑ بھی کھول دیتی ھے.

۳

پیاس کے مارے دم کھنچ رہا ھے!
ذرا آگے بڑھو نا، سامنے پانی ھی پانی ھے!
اے لو! پانی اُڑ گیا! یہاں تو تپتی ریت رہ گئی!
ذرا مڑ کے تو دیکھو وہ دریا بہہ رہا ھے!
اور ابھی ادھر سے آئے تو نری ریت تھی!
جہاں سے گذرو ریت، جہاں نہیں پہنچے پانی، جہاں ٹھہرو ریت.
کیا پانی ریت کی خوشبو ھے،
کہ ھوا میں اڑ رہی ھے؟

سوکھی ہونٹ کس سے پیاس بجھائیں؟

۴

کس سراب میں لا ڈالا؟
کس شکار کو ڈھونڈنے نکلے تھی؟
ہر طرف سوکھی پنجر اور کھوپریاں،
آپ شکار کے شکار ہوئے جاتے ھیں،
آپ بھی رستہ کہیں بھول گئے؟
کس سے اب راہ پوچھئے آخر؟
آنے والوں کو خبر، نہ جانے والوں کو،
سب بگولوں میں اڑے جاتے ھیں.

۵

یہ کدھر آگے بڑھے جاتے ہو؟
تم یہیں ٹھیر کیوں نہیں جاتے؟
اچھی! تم لوٹ کیوں نہیں چلتے؟
اور جو لوٹیں بھی تو کدھر جائیں!
رات ہوتی تو تاروں سے اندازہ لگا لیتے.
اور تارے بھی کیا جانیں رستہ کدھر ھے!

٦

تم کب باگ موڑو گے؟
مجھی یہ سیر نہیں بھاتی.
تم بھی گھبرا گئے نا، گم سم کیوں ہو؟
ہائے! اسی سے ڈرتی تھی. آندھی میں بچھڑ گئے!
اب کسے پکاروں، کس کا ہاتھ پکڑوں، کیا کروں، کدھر جاؤں؟

٧

یہ سیر کس امید سے شروع ہوئی،
کس امید میں کٹی،
کس امید پہ ختم ہوئی!
ہر طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے دیکھا،
بچھڑے پھر نہ ملے!
آوازیں دے دے کے آواز بیٹھ گئی.
اب تو اپنی آواز کی بھی گونج نہیں آتی!
آندھی پر سمیٹ کے رات کے گھونسلہ میں سو گئی!

٨

نہیں! یہ تو آواز کا بگولہ بیٹھا تھا.
آندھی تو اب اٹھی ھے،

اس طوفان میں تم کہاں ہو ؟
الٰہی ! تمہارا بال بیکا نہ ہو !
جو بیتنی ہے مجھ پر بیت جائے !
تمہاری آئی مجھی لگ جائے !
تمہارے روئیں روئیں کی خیر ہو !

۹

رات سی رات ہے !
اندھیرا سا اندھیرا ہے !
کلیجہ نکلا پڑتا ہے !
آندھی سی آندھی ہے !
رات کی جڑیں تک اکھاڑے پھینکتی ہے !
ہائے ! تم کہاں ہو گے ؟
دل دھڑک دھڑک کے چھاتی کے کواڑ توڑے ڈالتا ہے !
جان نکل کیوں نہیں جاتی ؟
دل پھٹ کے بند کیوں نہیں ہو جاتا ؟
یہ اذیت مرنے سے بد تر ہے !
یہ جینا موت سے کڑوا ہے !
یہ دل اسی لئے چنا تھا
کہ پھڑک پھڑک کے پھٹ جائے !

۱۰

دکھ کی رات، رات ہے یا پہاڑ،
کاٹے کٹے نہ ہٹائے ہٹے!
کایا کا دکھ تو ہائے بٹائے.
جان کا دکھ کیسے سہا جائے.
اور دکھ بھی تمہارا دکھ!
جو جان کی نس نس میں سمایا،
دل کے ریشہ ریشہ میں رچا ہو،
جو جان سے بڑھکر پیارا،
اور جان کا سہارا ہو!
دکھ کی سہار نہیں رہتی،
تو کہتی ہوں جان نکل جائے.
جان نکلی تو کیا تمہارے دکھ سے چھٹ جائے گی؟

ALLAMA IQBAL LIBRARY
36068

انجمن
ترقی اردو
(ہند)

علیگڈھ

سنہ ۱۹۵۰ ع

THE JAMMU & KASHMIR UNIVERSITY
LIBRARY.

DATE LOANED

Class No. ٨٩١٤٣١ Book No. آ٢٨پ

Vol. ________ Copy ________.

Accession No. ٣٤٥٤٨

ALLAMA
IQBAL LIBRARY
UNIVERSITY OF KASHMIR
HELP TO KEEP THIS BOOK
FRESH AND CLEAN.

...mu & Kashmir
...sity Library,
...gar.

1. Overdue charge of *one* *anna* per-day will be charged for each volume kept after the due date.

2. Borrowers will be held responsible for any damage done to the book in their possession.